مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۱ | رجب ۱۴۴۱ھ | مارچ ۲۰۲۰ء | شمارہ ۳

الحدود والقیود

عبادات ومعاملات میں رعایت اعتدال

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعۃ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعۃ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

الحدود والقیود

(عبادات ومعاملات میں رعایت اعتدال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ الحدود والقیود بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ بروز سوموار ۳ گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰ تھی۔ شریعت کی حدود وقیود کو تفصیل سے بیان فرمایا حضرت تھانوی خود ہی بطور خلاصہ وعظ فرماتے ہیں۔

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ مقصود شریعت اعتدال واقتصاد ہے اور یہ بدون حفظ حدود کے حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ اعتدال کے لیے افراط وتفریط سے احتراز لازم ہے۔ پس ہر شے کو اس کی حد پر رکھنا ضروری ہے۔ اسی کا ذکر ہے والحفظون لحدود اللّٰہ میں اور اسی کا بیان کرنا مجھے مقصود تھا۔

خلیل احمد تھانوی

۶ ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ

الحدود والقیود

(عبادات ومعاملات میں رعایت اعتدال)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	آجکل ترقی کا حاصل	۹
۲	ترقی کی حد	۱۰
۳	معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے	۱۲
۴	نظیر اور دلیل میں فرق	۱۳
۵	فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے	۱۴
۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت	۱۷
۷	دبدبہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸
۸	اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے	۱۹
۹	اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت سے اظہار استغناء منافی ادب ہے	۲۰
۱۰	علم خضر علیہ السلام کی مثال	۲۱
۱۱	علم باطن کے شرائط وآداب	۲۳
۱۲	ممانعت قتل نفس کی حکمت	۲۴
۱۳	آجکل کی ترقی کا منشاء	۲۵
۱۴	کورانہ تقلید کی ممانعت	۲۶
۱۵	کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم	۲۷
۱۶	ایک شعر کا صحیح مفہوم	۲۸

۱۷.....	تحقیق کی دو قسمیں.....	۲۹
۱۸.....	یورپی تقلید کا حاصل.....	۲۹
۱۹.....	شعار قومی میں تشبہ حرام ہے.....	۳۰
۲۰.....	مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے.....	۳۰
۲۱.....	تشبہ بالکفار کی تفصیل.....	۳۱
۲۲.....	اسلام میں تعصب نہیں.....	۳۲
۲۳.....	آزادی نسواں اور تقلید.....	۳۳
۲۴.....	اولاد کے حقوق.....	۳۵
۲۵.....	جنت بہت بڑا انعام ہے.....	۳۶
۲۶.....	حفاظت حدود پر بشارت.....	۳۷
۲۷.....	مقاصد کی دو قسمیں.....	۳۷
۲۸.....	تمام مقاصد دینیہ میں حدود.....	۳۸
۲۹.....	قربانی سے مقصود.....	۳۸
۳۰.....	لیلیٰ مجنوں کی سچی محبت.....	۳۹
۳۱.....	نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے.....	۴۰
۳۲.....	زکوٰۃ کے حدود.....	۴۱
۳۳.....	حج کے حدود و قیود.....	۴۲
۳۴.....	گناہ کے حدود و قیود.....	۴۲
۳۵.....	نیند کا اعتدال.....	۴۳
۳۶.....	بھوک کی دو قسمیں.....	۴۴
۳۷.....	تکسیر اعمال سے ممانعت.....	۴۴

۳۸.....	محنت علم میں ضرورت اعتدال.....	۴۴
۳۹.....	نادر شاہ اور ایک طبیب کی حکایت.....	۴۵
۴۰.....	ہر چیز کی حد.....	۴۶
۴۲.....	حمد الٰہی کے حدود و قیود.....	۴۷
۴۲.....	دعا کے حدود و قیود.....	۴۷
۴۳.....	شبان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت.....	۴۸
۴۴.....	اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ.....	۴۹
۴۵.....	محبوب کی محبت کی حالت.....	۵۰
۴۶.....	نجدیوں کی ایک کمی.....	۵۱
۴۷.....	امر بالمعروف کے حدود و قیود.....	۵۱
۴۸.....	حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اور مولانا حسامی محتسب کی حکایت.....	۵۲
۴۹.....	حکایت حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ.....	۵۳
۵۰.....	حضرات سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف.....	۵۷
۵۱.....	صلوٰۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب.....	۵۷
۵۲.....	تجلیات خاصہ کا حق.....	۵۸
۵۳.....	دین میں حدود الٰہیہ.....	۵۹
۵۴.....	اعمال باطنہ کے حدود.....	۶۰
۵۵.....	مذاق عاشق.....	۶۰

۵۶..... حکایت حضرت شاہ ابوالمعالیؒ ۶۱

۵۷..... شوق کی حد ۶۲

۵۸..... اعتدال کے درجات ۶۳

۵۹..... اعتدال کی قسمیں ۶۴

۶۰..... بڑا کمال اقتصاد واعتدال ۶۶

۶۱..... علماء کا کام ۶۸

۶۲..... علماء وسیاسیات ۶۸

۶۳..... دندان شکن جواب ۶۸

۶۴..... ہر قوم کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے ۷۰

۶۵..... أخبار الجامعہ ۷۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ)(۱)

آجکل ترقی کا حاصل

میں نے برکت کے واسطے پوری آیت کی تلاوت کردی ہے۔ مگر مقصود صرف ایک جزو کا بیان کرنا ہے کیونکہ جو مضمون اس وقت ذہن میں ہے جس کے بیان کی ضرورت ہے اس سے آیت کے ایک جزو ہی کو مناسبت ہے۔ یوں مطلق مناسبت تو ہر جزو سے ہوسکتی ہے۔ مگر مناسبت قریبہ ایک ہی جزو سے ہے اور چونکہ مضمون مختصر ہے اس لیے مختصر ہی بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری طبیعت بھی اس وقت ضعیف ہورہی ہے۔ دماغ زیادہ طویل کا متحمل نہیں (۲) جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ پہلے سے بھی ذہن میں تھا اور خیال تھا کہ کسی موقع پر اس کو بیان کروں گا۔ چنانچہ اب درخواست کی گئی ہے اس لیے اب اس کو بیان کرتا ہوں اور وہ مضمون اس طرح ذہن میں آیا تھا کہ ایک بار

(۱) ''وہ ایسے ہیں جو گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اور اللہ کی عبادت کرنے والے اور حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے اور رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اور نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کا (یعنی اس کے احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنین کو خوشخبری سنایئے'' سورۃ التوبہ: ۱۱۲ (۲) لمبی گفتگو کا تحمل نہیں ہے۔

مجلس میں ترقی کا ذکر ہو رہا تھا میں نے یہ کہا کہ آج کل ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شے حد پر نہ رہے(۱) کسی شے کے لیے کوئی حد نہ ہو بس جس چیز کے درپے ہوتے ہیں اس میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ کسی حد پر نہیں رُکتے اور یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص دہلی کی سیر کو جائے تو ترقی فی سیر الدہلی(۲) تو یہ ہے کہ دہلی کے حدود کے اندر رہ کر اس کے تمام عجائبات کو دیکھے ہر گلی اور ہر محلہ کی سیر کرے۔ اور اگر وہ دہلی سے باہر چلا جائے تو یہ ترقی فی المقصود نہیں بلکہ ترقی عن المقصود ہے(۳) کہ مقصود کی حد سے آگے نکل گیا۔

ترقی کی حد

اسی طرح ایک شخص گھر کے اندر تھا۔ اب اس نے ترقی کی کہ کوٹھے پر چڑھ گیا۔ لیکن اگر وہ کوٹھے پر جا کر باہر کی طرف کودنے لگے تو یہ ترقی فی المقصود نہیں بلکہ ترقی عن المقصود ہے(۴)۔ اس مجلس میں یہ بھی ذکر تھا کہ آجکل امریکہ میں عورتیں بال مونڈانے لگی ہیں اور بعض ننگی رہنے لگی ہیں۔ گو حکومت نے ابھی ان کو شہر میں اس حالت سے آنے کی اجازت نہیں دی مگر سنا ہے ان کی جماعت بڑھ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا منشا بھی وہی ہے کہ ان کے نزدیک ترقی کی کوئی حد نہیں ہوتی تو انہوں نے لباس میں ترقی کی کہ اس میں نئے نئے فیشن نکالے جب لباس میں ترقی کر چکے تو اب یہ نئی بات نکالی کہ لباس سے ترقی کی یعنی لباس ہی کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح بالوں کی زینت میں اول یوں ترقی کی کہ ان کے واسطے قسم قسم کے فیشن نکالے گئے حتی کہ میموں کو صرف بالوں کے درست کرنے میں ایک بال کو الگ کرنے میں کئی گھنٹے روزانہ صرف کرنا پڑتے تھے(۵)۔ جب اس کی کوئی حد نہ رہی تو اب بال منڈوانے لگیں۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ سر کے بال مونڈنے سے عورتوں کے منہ پر داڑھی نکلنے لگی ہے اب تو بڑی گھبرائیں اور بال منڈوانا چھوڑ دیا اب سنا ہے کہ مردوں کی طرح پٹے رکھنے لگی ہیں۔ اب دیکھئے اس میں کیا بات نکلتی ہے اگر اس میں کوئی بات نکل آئی تو نہ معلوم پھر کیا صورت اختیار کریں گے

(۱) کوئی چیز اپنی حد میں نہ رہے (۲) دہلی میں سیر کا حاصل تو یہ ہے (۳) یہ مقصود کا حصول نہیں بلکہ اس سے تجاوز ہے (۴) مقصود سے دوری ہے (۵) یعنی میکپ کرنے میں کئی گھنٹے لگتے ہیں۔

تو یہ کچھ ترقی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وبال جان ہے کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد ہی نہ ہو کسی وقت بھی مطمئن نہیں بلکہ ہر قدم پر پریشان ہے چنانچہ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بعض اہل سائنس چاند میں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ بقول بعض ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں جا کر سلطنت کریں گے اس کا منشا بھی وہی ہے کہ ان کے نزدیک ترقی کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ اگر اس سے ان کو محض تحقیق علمی مقصود ہے سلطنت مقصود نہیں تب بھی یہ تجاوز عن الحد ہے(۱) اس لیے کہ شمس وقمر سے جو مصالح(۲) متعلق ہیں وہ ان تحقیقات پر موقوف نہیں بدون اس تحقیق(۳) کے بھی وہ منافع ہم کو پہنچ رہے ہیں پھر غیر مقصود کے درپے ہونا تجاوز عن الحد(۴) نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر یہ مقصود ہے کہ چاند میں پہنچ کر سلطنت کریں گے جیسا بعض کا قول ہے تب بھی یہ تجاوز عن الحد ہے(۵) کیونکہ سلطنت سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ہمارے تعلقات وابستہ ہیں وہاں تک ہم دوسروں سے مامون رہے اور دوسرے ہم سے مامون رہیں تاکہ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو اور نظام تمدن(۶) قائم رہے۔ اور ظاہر ہے کہ چاند کے کرہ میں اول تو کسی مخلوق کا آباد ہونا متحقق نہیں(۷)۔ چنانچہ خود اہل سائنس کو اقرار ہے کہ کرہ قمر ویراں وغیر آباد ہے اس صورت میں وہاں جا کر آباد کیا اور پھر سلطنت کی تو اس سے کیا فائدہ یہ مخلوق اس وقت جہاں آباد ہے تم وہیں ان پر سلطنت کرو دوسری جگہ لے جانے کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ زمین ان کے آباد ہونے کو کافی نہ ہوتی تو خیر۔ مگر زمین تو اس قدر وسیع ہے کہ اب بھی اس کا بہت بڑا رقبہ ویران پڑا ہوا ہے۔ اور اگر وہاں کوئی مخلوق آباد بھی ہو تب بھی یہ امر یقینی ہے کہ ہمارے تعلقات ان سے اور ان کے ہم سے وابستہ نہیں اور ہم کو ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں پھر وہاں جا کر سلطنت کی ہوس کرنا یقینا عبث ہے(۸) اور اسی کا نام تجاوز عن الحد ہے(۹) کہ سلطنت سے جو مقصود تھا یہ لوگ اس سے آگے بڑھ رہے ہوں اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ یہ لوگ کرہ

(۱) حد سے باہر نکلنا ہے (۲) چاند وسورج کی جو مصلحتیں ہیں (۳) اس تحقیق کے بغیر بھی (۴) غیر مقصود کے پیچھے پڑنا حد سے متجاوز ہونا نہیں تو کیا ہے (۵) حد سے تجاوز ہے (۶) معاشرتی نظام (۷) اس کی تحقیق نہیں ہے کہ وہاں کوئی مخلوق ہے کہ نہیں (۸) بیکار ہے (۹) اسی کو حد سے تجاوز کرنا کہتے ہیں۔

قمر میں پہنچیں گے بھی یا نہیں گو میں اس کو پاگل بھی نہیں کہتا کیونکہ تدابیر میں حق تعالیٰ نے خاص اثر رکھا ہے ممکن ہے کہ تدبیر کرتے کرتے کسی دن یہ لوگ کامیاب ہوجائیں اور ہم تو جس دن یہ لوگ کرہ قمر میں پہنچ جائیں گے خوش ہوکر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے کیونکہ اس دن ہم ملحدین کا یعنی انہی سائنس دانوں کا منہ بند کردیں گے جو واقعہ معراج پر اعتراض کرتے اور اس کو محال (۱) بتلاتے ہیں خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کو اس نے محال وخلاف عادت میں فرق بتلادیا ہے اسی لیے ہم امریکہ والوں کی چاند میں جانے کی تدبیر محال نہیں سمجھتے یہ جہل انہی لوگوں کو مبارک ہو کہ وہ محال وخلاف عادت کو ایک سمجھتے ہیں دونوں میں فرق نہیں کرتے چنانچہ معراج کے محال ہونے کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اوپر ایک طبقہ ایسا ہے جہاں ہوا نہیں ہے اس میں کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اس سے استحالہ لازم نہیں آیا صرف مستبعاد لازم آیا کیونکہ انسان کے لیے تنفس عقلاً لازم نہیں صرف عادۃً لازم ہے عقلاً یہ ممکن ہے کہ انسان بدون تنفس کے زندہ رہے۔ اور زیادہ نہیں تو کچھ عرصہ تک تو بدون تنفس (۲) کے زندہ رہنا مشاہد ہے جن لوگوں کو حبس دم کی مشق ہے وہ کئی روز تک اور بعضے کئی مہینوں تک حبس دم کئے رہتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ پس انسان کا اس طبقہ میں جہاں ہوا نہیں ہے زندہ رہنا عقلاً ممکن ہے گو عادۃً مستبعد ہے (۳) اور معجزہ تو خارق عادت (۴) ہوتا ہی ہے اگر معجزہ خارق عادت نہ ہو تو معجزہ ہی کیا ہوا۔

معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے

اور اہل اسلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج کے قائل ہیں بطور اعجاز وخرق عادت ہی کے قائل ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ تنفس کے لیے مکث طویل (۵) کی ضرورت ہے۔ تھوڑی سی دیر کے لیے تنفس (۶) لازم نہیں۔ بس اگر اس کے قائل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ میں بہت دیر تک ٹھہرے ہیں جب تو ہم پر یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ بدون تنفس کے آپ وہاں کیونکر زندہ رہے مگر جو شخص معراج کا قائل ہے وہ آپ کے لیے

(۱) ناممکن الوقوع (۲) بغیر سانس لیے (۳) سانس روکنے کی پریکٹس ہے (۴) عادۃً ایسا نہ ہوتا ہو (۵) خلاف عادت ہی کو تو کہتے ہیں (۶) زیادہ دیر رکے رہنے کی ضرورت ہے (۷) تھوڑی سی دیر کے لیے سانس لینا ضروری نہیں سرعت سیر۔

سرعت سیر (۱) کا بھی قائل ہے پس اگر ہم یوں کہیں کہ حضور ﷺ اس طبقہ سے ایک منٹ میں پار ہو گئے تھے۔ تو بتلائے اب کیا اشکال رہا۔ اور جب معراج خود خرق عادت ہے اور عادت سے بہت بعید ہے تو اگر اس کے مقدمات میں جو اس قدر بعید بھی نہیں ہم خرق عادت کے قائل ہوں تو کیا بُعد ہے۔ حضرت صدیقؓ نے کفار کو یہی جواب دیا تھا جب حضور ﷺ نے شب معراج کی صبح کو یہ واقعہ بیان فرمایا کہ رات مجھ کو سموات (۲) کی معراج ہوئی ہے تو کفار دوڑے ہوئے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے کہ تم نے اور بھی کچھ سنا ہے تمہارے دوست محمد ﷺ آج یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ایک رات میں انہوں نے مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کرو گے۔ حضرت صدیقؓ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات کی پہلے ہی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان والے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور خدا کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور جس کے پاس آسمان والے آتے ہوں وہ اگر آسمان پر بلا لیا جائے تو کیا تعجب ہے؟

نظیر اور دلیل میں فرق

دیکھو جس کے پاس بادشاہ خود آتا ہے اگر اس کو بادشاہ کبھی اپنے پاس بلا لے تو کیا تعجب ہے۔ بادشاہ کے پاس کسی کا جانا تو عجیب نہیں ہاں بادشاہ کا کسی کے پاس خود آنا زیادہ عجیب ہے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ معراج سموات کا دعویٰ کرتے ہیں تو میں اس کی بھی تصدیق کروں گا۔ کیونکہ میں اس سے عجیب تر کی تصدیق پہلے ہی سے کر رہا ہوں تو حضرت صدیقؓ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ جب میں بُعد کا قائل ہوں تو بعید کا قائل ہونا کیا مشکل ہے اس طرح ہم کہتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کے لیے خرق عادت (۳) کے طور پر معراج کے جو کہ بعد ہے (۴) قائل ہیں تو اسی خرق عادت کے طور پر آپ کے لیے سرعت سیر کے بھی جو کہ صرف بعید ہے (۵)۔ قائل ہوں تو کیا بعد ہے اور سرعت سیر کی حالت میں نہ اس طبقہ میں جو ہوا سے خالی ہے تنفس کی (۶)

(۱) تیز رفتاری سے جان کا (۲) آسمانوں (۳) خلاف عادت کے طور پر (۴) جو کہ بہت دور ہے (۵) تیز رفتاری کے (۶) سانس لینے کی۔

ضرورت ہے نہ اس حالت میں کرہ نار سے گزرنے میں احتراق لازم(۱) آتا ہے کیونکہ احتراق کے لیے بھی مکث فی النار(۲) کی ضرورت ہے اور اگر کوئی شخص بجلی کی طرح کرہ نار سے نکل جائے تو اس کا بال بھی نہ جلے گا چراغ کی لو میں جلدی انگلی نکالنے سے آگ کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سرعت سیر کیونکر میسر ہوئی(۳) اس وقت تو ریل اور ہوائی جہاز اور موٹر بھی ایجاد نہ ہوئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں دنیا والوں کے پاس ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بھی زیادہ سریع السیر(۴) آلات موجود ہیں چنانچہ حدیثوں میں مصرح ہے کہ آپ کو براق پر سوار کر کے معراج کرائی گئی اور براق ایک تیز رو سواری ہے جس کا قدم اس کی مسافت بصر(۵) پر پڑتا تھا۔ بہرحال اس میں استحالہ(۶) کی کوئی بات نہیں ہاں استبعاد(۷) ضرور ہے اور یہ ہم کو مضر نہیں بلکہ معجزات کے لیے استبعاد تو ضروری ہے ورنہ اعجاز ہی نہ ہوگا۔ مگر آج کل کے سائنس دان علوم عقلیہ سے بالکل بے بہرہ ہیں کہ محال و مستبعد میں بھی فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح نظیر(۸) اور دلیل میں بھی فرق نہیں کرتے آج کل یہ بھی عجیب جہل ہے کہ مدعی سے نظیر کا مطالبہ کیا جاتا ہے حالانکہ مدعی کے ذمہ صرف دلیل قائم کرنا ہے نظیر تو دعویٰ کی توضیح کر دیتی ہے اس سے اثبات مدعی نہیں ہوتا مگر نو تعلیم یافتہ جماعت نظیر ہی کو ثبوت سمجھتی ہے۔

فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے

غرض یہ لوگ اگر کرہ قمر(۹) میں پہنچ جائیں تو ہم تو خوش ہوں گے۔ مگر ہاں اس احتمال سے کہ شاید وہاں جا کر ہلاک و برباد ہوں۔ ہمدردی انسانی کی وجہ سے جی کڑھتا ہے(۱۰) اور دل یہ چاہتا ہے کہ ان کو رستہ ہی نہ ملے تو اچھا ہے کیونکہ چاند کی خاصیت ابھی تک محقق نہیں ہوئی اس میں کشش کا وہ مادہ بھی ہے یا نہیں جو زمین میں ہے۔ کیونکہ حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین پر انسان وغیرہ کا استقرار(۱۱) سو، جیسے ہے

(۱) جلنا لازم آتا ہے (۲) کیونکہ جلنے کے لیے آگ میں کچھ دیر ٹھہرنا ضروری ہے (۳) تیز رفتاری کیسے حاصل ہوگئی (۴) ان سے بھی تیز لے جانے والی سواریاں ہیں (۵) حد نگاہ تک ایک قدم میں مسافت طے کر لیتا ہے (۶) محال نہیں (۷) بعید ہونا (۸) مثال (۹) چاند پر (۱۰) دلی افسوس ہوتا ہے (۱۱) اس لیے کھڑا رہتا ہے۔

کہ اس میں کشش کا مادہ ہے اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو آدمی کا زمین پر رہنا اور دوسرے کرات (۱) میں نہ چلا جانا ترجیح بلا مرجح ہے (۲)۔ آسانی کے لیے یوں سمجھئے کہ زمین کی اور اس پر رہنے والی مخلوق کی یہ صورت ہے کہ سب کے قدم تو زمین پر جمے ہوئے ہیں مگر سر کسی کا اوپر کو ہے اور کسی کا دوسرے کے اعتبار سے نیچے کو ہے۔ اس صورت میں یقینا اگر زمین میں کشش کا مادہ نہ ہوتا تو انسان وحیوانات کا اس پر مستقر ہونا سخت دشوار ہوتا (۳)۔ اور قمر (۴) میں مادہ کشش کا ہونا اب تک سائنس والوں کو بھی محقق نہیں ہوا۔ بس یہ لوگ دور سے ہی حساب لگا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے حساب کی وہی مثال نہ ہو جو بنئے کو حساب کی ہوئی تھی کہ ''لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں'' مگر آج کل اس پر بھی فخر ہے کہ جس نے تحقیق میں جانیں دیں ہیں حالانکہ فضول باتوں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے۔ تمہارے جان دینے پر جب کوئی ثمرہ (۵) مرتب نہ ہوا تو اس پر فخر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا کھا کر جان دے اور فخر کرے کہ میں بڑا بہادر ہوں مگر اس کو کوئی بہادری نہیں کہتا بلکہ حماقت کہتے ہیں۔ اسی طرح ان فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینا ہمارے نزدیک تو حماقت ہی حماقت ہے۔ صاحبو! یہ جان آپ کی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے اس کو بدون (۶) خدا کے حکم کے صرف کرنا جائز نہیں اور اسی بناء پر خودکشی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (۷) اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اہل اللہ کو یہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو گیا ہے کہ یہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے اس لیے وہ اپنی جان کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اور کوئی کام بدون رضائے خدا کی نیت کے نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جان دینا پسند کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ جان دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ یہاں جان دینا خدا کو پسند نہیں تو وہ سب سے زیادہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جسم وروح

(۱) جیسے دوسرے سیارے مریخ وغیرہ (۲) بلا کسی وجہ کے ترجیح دینا لازم آئے گا (۳) ٹھہرے رہنا سخت مشکل ہوتا (۴) چاند (۵) نتیجہ (۶) بغیر (۷) سورۃ النساء: ۲۹۔

سے بہت محبت ہے حالانکہ حقیقت میں ان کو خدا سے محبت ہے اور اس وجہ سے خدا کی ہر چیز سے محبت ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ناز بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است (۱)

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است (۲)

ان کو اپنے اعضاء سے محض اس لیے محبت ہے کہ یہ خدا کی امانتیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے مرضیات اِلٰہیہ کی تعمیل ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں صاحبو! آج جو خیال امریکہ والوں کے دماغ میں آیا ہے کہ چاند میں پہنچنا چاہیے یہ خیال پہلے بھی بعض سلاطین کو ہوا ہے چنانچہ فرعون نے آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ (۳) پھر یہ معلوم نہیں کہ اس نے اس ارادہ کے بعد تدابیر کا اہتمام کیا یا نہیں اور کیا تدبیر کی اسی طرح نمرود کو خیال ہوا تھا اور اس نے تدبیر بھی کی جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ اس نے چار کرگس پالے اور کرگس بڑا مضبوط جانور ہے پھر ان کو تخت کے چاروں پایوں سے منسلک کیا اور چاروں پایوں پر چار بانس باندھے اور ان کے سروں پر گوشت لٹکا دیا کرگس گوشت کو دیکھ کر تخت کو لے اُڑے اور بہت دور تک میلوں اڑے چلے گئے یہ پہلی منزل تھی اگر اس کے بعد دوسرے سلاطین بھی ارادہ کرتے تو اس میں ترقی کر لیتے اور کوئی اس سے بھی سہل تدبیر نکالتے مگر سب نے اس کو فضول سمجھا اسی لیے سلاطین اسلام نے اس کا کبھی قصد نہیں کیا کیونکہ وہ لغو اور فضول سمجھتے تھے۔ اور اسلام نے لغو (۴) سے منع کیا ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (۵) گو لغویات میں جہنم کا عذاب نہ ہو مگر ممنوع ضرور ہے اسی لیے ایک بزرگ تیس برس تک اس وجہ سے روئے کہ ان کی

(۱) ''مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے ہیں'' (۲) ''ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے'' (۳) ''فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک اونچا محل بنا شدید میں رستوں میں پہنچ جاؤں آسمان کے رستوں میں جھانک کر دیکھو موسیٰ کے خدا کو'' (۴) بیکار کام سے (۵) ''اور جو لوگ لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں'' سورۃ المؤمنون: ۳۔

زبان سے ایک فضول کلمہ نکل گیا تھا۔ حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (مجمع الزوائد۸:۱۸۔ کنز العمال ۸۲۹۱/۳) آدمی کے کمال اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ فضول وعبث سے احتراز کرے۔ اسی لیے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل وقول خالی عن الحکمۃ (۱) نہیں ہوتا گو کسی فعل میں ہم کو حکمت معلوم نہ ہو تو ہمارے عمل وعلم سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی وہاں حکمت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح میں حکمت

مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزاح فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطییب قلوب (۲) اصحابہ تھی۔ اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے میں نے اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا بہت وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحب نے فرمایا کیا نفلیں ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزارا۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ آدمی تو یہ سمجھتا ہوگا کہ یہ وقت عبادت سے خالی گزرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے کیونکہ تطییب قلب مومن (۳) بھی عبادت ہے۔ بس ایک حکمت تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح میں یہ تھی دوسری حکمت وہ تھی جو مجھے خواب میں بتلائی گئی۔ میں نے شباب (۴) میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے نہ گھوڑا ہے نہ بیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا مگر اب موٹر کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل تھی اور میں نے دیکھا کہ ملکہ سوار تھی تھانہ بھون کی گلیوں اور سڑکوں میں پھر رہی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کو بھی اس سواری پر سوار

(۱) حکمت سے خالی نہیں (۲) صحابہ کے دلوں کو خوش کرنا (۳) مؤمن کا دل خوش کرنا (۴) جوانی میں۔

دیکھا۔ اس وقت ملکہ نے مجھے کہا کہ مجھے حقانیت اسلام میں اور کوئی شبہ نہیں صرف ایک بات کھٹکتی ہے اور وہ حل ہوجائے تو پھر اسلام کے حق ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہیگا میں نے کہا آپ بیان کیجئے وہ کیا شبہ ہے کہا حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے ہیں۔ اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور نبی کے لیے باوقار ہونا ضروری ہے یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے کیونکہ وقار وخود داری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک بڑی حکمت تھی۔

دبدبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب جلال اس درجہ فرمایا تھا کہ ہرقل وکسری اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے تھراتے تھے۔ حدیث میں ہے نصرت بالرعب مسیرۃ شھر (۱) کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اس مخلوق پر بھی آپ کا رعب طاری تھا جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ سے دور تھے۔ پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و حضرت خالدؓ اور یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان نہ تھے بلکہ رسول بھی تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری باطنی اصلاح کرے جس کے لیے افادہ واستفادہ (۲) کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین (۳) کا دل مربی سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کرکے اصلاح کرسکیں اور جس قدر رعب وجلال خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا (۴)۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کو باتوں کے بیان کرنے سے رکیں اور یہ مسلم نہیں کہ مزاح خلاف وقار ہے خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت وحکمت نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح سے آپ کے وقار وعظمت میں کمی نہ آتی تھی

(۱) سنن النسائی، الجہاد ب ۱۔ مسند احمد ۲:۲۶۸ (۲) فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے (۳) فائدہ حاصل کرنے والوں کا دل (۴) رکاوٹ کا باعث تھا۔

بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ صحابہؓ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض (۱) جاتا رہتا تھا۔ جو غایت اور رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃ پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ کی محبت جاگزیں ہوتی تھی (۲) اگر آپ مزاح نہ فرماتے تو صحابہؓ کے اوپر آپ کا خوف ہی خوف غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی۔ اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوئی تو آپ کے وقار وعظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار وعظمت کا منشاء صرف خوف تھا اب محبت وخوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہوجاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہوسکتا چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ کے قلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر تھی اور جب کبھی کسی بات پر آپ کو غصہ آگیا تو صحابہ کی کیا حالت ہوتی تھی کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب (۳) شجاع بھی تھراجاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔ اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا کہ اب میرا اطمینان ہوگیا اور اب مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان بھی کوئی فعل عبث نہیں کرتے ان کے ہر فعل میں نیت صالح ہوتی ہے اور اگر کسی فعل میں کوئی خاص نیت نہ ہو۔

اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے

کیونکہ بعض دفعہ ہر فعل میں نیت تراشنا مشکل ہوتا ہے تو اس میں اظہار عبدیت کی حکمت ہوتی ہے کہ ہم ایسے عاجز ہیں کہ ہم سے نیت صالحہ بھی نہیں ہوسکتی اور اظہار

(۱) دل کھل جائے اور رکاوٹ دور ہوجاتی (۲) آپ کی محبت جڑ پکڑ لیتی تھی (۳) مضبوط دل والے بہادر بھی کانپ جاتے تھے۔

عبدیت شرعاً مطلوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے محض اظہار عبدیت کے لیے بھی بعض افعال کئے ہیں چنانچہ کھانا کھا کر آپ اول خدا کی حمد فرماتے تھے۔ الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین (۱) تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد فرماتے غیر مودع ولا مکفی ولا مستغنی عنه ربنا اے اللہ ہم اس کھانے کو ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کرتے بلکہ دوسرے وقت پھر اس کی طلب کریں گے اور نہ اس کی بیقدری کی گئی ہے بلکہ پیٹ بھرنے کے بعد بھی ہم اس کے ویسے ہی قدردان ہیں جیسے بھوک کی حالت میں تھے اور نہ اس سے ہم کو استغناء ہوا ہے بلکہ ہر حال میں اس کے محتاج ہیں مگر اس وقت دسترخوان اس لیے اٹھا دیا گیا کہ اب گنجائش نہیں رہی۔ اب کہاں ہیں اہل طامات وشطحیات (۲) جو جنت سے بھی بے پرواہ بنتے ہیں کہ ہم کو نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کا خوف ہے ارے تمہارے رسول تو روٹی کے دو لقموں کا بھی اپنے کو محتاج فرماتے ہیں تم جنت جیسی نعمت سے مستغنی (۳) کس طرح ہو گئے۔ موسیٰ کو جس وقت بھوک لگی ہے تو وہ فرماتے ہیں رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (۴) وہ بھی اپنے کو روٹیوں کا محتاج اور فقیر ظاہر کرتے تھے کیا تم انبیاء سے بھی بڑھ گئے کہ دنیا کی نعمتوں سے گزر کر آخرت کی نعمتوں سے بھی بے پرواہ اور مستغنی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت سے اظہار استغناء منافی ادب ہے

ان لوگوں میں ادب نہیں ہے اگر ادب ہوتا تو حق تعالیٰ کی کسی نعمت سے بھی استغناء ظاہر نہ کرتے ان کی بے ادبی کی یہ حالت ہے کہ ایک ظالم نے میرے سامنے یہ بات کہی کہ آج تو نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ میاں کی ناک دکھ رہی ہے میں نے کہا کمبخت کیا بکتا ہے تو آپ نے یہ تاویل کی کہ ہر چیز تو خدا ہی کی ہے زمین بھی آسمان بھی تم بھی میں بھی۔ تو میری ناک بھی اللہ ہی کی ہے میں نے کہا سبحان اللہ۔ اگر یہی تاویل ہے تو کل تو تم یوں بھی کہو گے کہ اللہ میاں کی بیوی مر گئی۔ نعوذ باللہ منہ اگر کبھی تمہاری بیوی مر جائے اور اپنے بیٹے کو کہہ دینا کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے پھر یہود و نصاریٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اس بات پر دھمکایا ہے کہ وہ

(۱) سنن الترمذی: ۳۳۹۶، صحیح المسلم، الذکر والدعاء ۶۴ (۲) ایسے ریا کار صوفی کہاں ہیں جو یوں کہتے پھرتے ہیں ہمیں نہ دوزخ کی پروا نہ جنت کی فکر (۳) بے نیاز (۴) سورۃ القصص: ۲۴۔

اللہ تعالیٰ کے بیوی اور بچے تجویز کرتے تھے۔ یہ سب لغو ہی ہو جائے گا اور اگر یہود و نصاریٰ کا وہ قول کفر ہے تو تمہارا قول کفر کیوں نہیں تمہارا یہ قول بھی کفر ہے۔ آخر ادب بھی کوئی چیز ہے یا نہیں شریعت میں تو ادب کلام کی اس قدر رعایت ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے ایک سائل کے جواب میں جس نے سوال کیا تھا من اعلم الناس الیوم آج کل سب سے بڑا عالم کون ہے بلا قید کے یہ فرما دیا تھا انا اعلم کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ تو اس لفظ پر عتاب ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا حالانکہ بظاہر موسیٰ کا کلام بالکل صحیح تھا کیونکہ مقصود ان کا یہی تھا کہ علم شرائع واحکام میں سب سے زیادہ اس وقت عالم ہوں اور ظاہر ہے کہ موسیٰؑ سے بڑا نبی اس وقت کوئی نہ تھا جتنے انبیاءؑ اس وقت تھے سب ان کے تابع تھے۔ بلکہ ان کے بعد بھی ہزار برس سے زیادہ تک جملہ انبیاء شریعت موسویہ ہی کے تابع ہوئے۔

علم خضر علیہ السلام کی مثال

اور علم خضر کی مثال ان کے سامنے ایسی تھی جیسے وائسرائے کے علم کے سامنے کوتوال کا علم کہ جزئیات و وقائع کا علم کوتوال کو وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اصول سلطنت اور کلیات قانون کے علم میں وائسرائے کے برابر کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ خضرؑ کا مرتبہ علم باطن میں بھی موسیٰؑ سے بڑھا ہوا نہ تھا کیونکہ علم باطن بھی شریعت ہی کا ایک جزو ہے کیونکہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام ظاہرہ و باطنہ کا اور علم باطن کی حقیقت احکام باطنہ ہے اور جب یہ بھی علم شریعت ہی کا جزو ہے تو یقیناً موسیٰ اس میں خضرؑ سے اکمل تھے کیونکہ موسیٰ انبیاء اور اولوالعزم سے ہیں۔ اور خضرؑ کی نبوت خود مختلف فیہ ہے اور نبی کے لیے علم شرائع میں غیر نبی سے اور اس طرح اس شخص سے بھی جس کی نبوت مختلف فیہ ہے کامل ہونا ضروری ہے پس خضرؑ سے علم باطن میں بھی موسیٰ اکمل تھے اور یہ میں نے اس لیے بیان کر دیا کہ اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہو گیا ہے بعض لوگ خضرؑ کو علم باطن میں موسیٰ سے افضل سمجھتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے مگر یہ علماء وہ ہیں جو صرف اہل ظاہر ہیں جنہوں نے علم باطن کی حقیقت کو نہیں سمجھا ان کو دھوکہ اس سے ہوا کہ قرآن میں جو وقائع خضرؑ کے مذکور ہیں جس کی حقیقت موسیٰ کو ابتداء میں معلوم نہیں ہوئی ان حضرات نے ان واقعات کو علم باطن کی قبیل سے سمجھا ہے حالانکہ

ان کو علم باطن سے کچھ تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق صرف کشف کونی سے ہے اور کشف کونی(۱) ہی میں خضر موسیٰ سے بڑھے ہوئے تھے اور کشف کونی کو علم موسیٰ سے کچھ بھی نسبت نہیں اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کوتوال کو شہر کے واقعات وحالات کا علم وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس سے کوتوال کا درجہ وائسرائے سے نہیں بڑھ جاتا کیونکہ اس علم کو اس علم سے کچھ بھی نسبت نہیں جو وائسرائے کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم ظاہر اور علم باطن اور کشف الٰہی میں جس سے اسرار وحکم معلوم ہوتے اور معرفت ذات وصفات میں ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ ہی افضل تھے صرف کشف کونی میں جس کو قرب حق میں کچھ بھی دخل نہیں گو بعض مقربین کو عطا ہو جاتا ہے۔ خضرؑ پڑھے ہوئے تھے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ اس علم کو موسیٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ مگر چونکہ ظاہر میں یہ بھی ایک علم ہے اور لذیذ علم ہے جس میں عجیب وغریب تماشے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرماتے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان کے اور واقعات بیان فرماتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ کشف کونی علم موسیٰ سے بڑھا ہوا ہے بلکہ یہ تمنا آپ نے اس لیے کی کہ اس علم سے عجائبات عالم کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے پس اس کے علم ہونے میں اور عجیب ہونے میں کلام نہیں۔ اس واسطے موسیٰ کو بلا قید انا اعلم نہ فرمانا چاہیے تھا۔ بلکہ احتمال ہونا چاہیے تھا کہ شاید کسی دوسرے علم میں گو وہ میرے علم سے کمتر ہی ہو کوئی دوسرا بڑھا ہوا ہو اور اس احتمال کی رعایت کر کے انا اعلم کو قید کے ساتھ مقید کرنا چاہیے تھا کہ انا اعلم بالشرائع (۲) مثلاً باوجود یہ کہ ان کی مراد مطلق سے مقید ہی تھی اور ان کے علم کے سامنے دوسرے علوم کی کچھ حقیقت بھی نہ تھی۔ موسیٰ پر اطلاق کلام کی وجہ سے عتاب ہوا اور ادب کی تعلیم کا اس درجہ اہتمام کیا گیا کہ ان کو خضرؑ کی شاگردی کا حکم ہوا۔ جس کے واسطے مجمع البحرین تک سفر کرنا پڑا اور خضرؑ سے درخواست کرنا پڑی۔ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (۳) اگر آپ کہیں تو آپ کے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھے سکھلا دیں جو کچھ آپ کو بھی راہ بتلائی گئی ہے۔ بزرگوں نے اس سے یہ ادب مستنبط

(۱) چیزوں کے وجود کا منکشف ہونا یعنی علم ہونا (۲) میں شریعت کا علم سب سے زیادہ رکھتا ہوں (۳) سورۃ الکہف: ٦٦

کیا ہے کہ کسی شخص کے ساتھ رہنے کے لیے بھی اس سے اجازت لینی چاہیے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے اجازت طلب کی اس پر خضر علیہ السلام نے جواب دیا إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے۔ کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ اس میں ساتھ نہ رہ سکنے کی وجہ بتائی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے افعال کے اسباب ومناشی کا آپ کو علم نہ ہوگا۔ اور ظاہری صورت ان کی منکر ہوگی تو آپ سے اس پر کیوں کر صبر ہوگا۔ موسیٰ ؑ نے اس پر صبر کا وعدہ کیا اور خضر علیہ السلام نے اس شرط سے ان کو ساتھ رکھنا منظور فرمایا کہ میں جو کچھ بھی کروں اس کے متعلق مجھ سے کچھ باز پرس نہ کی جائے جب تک میں خود ہی اس کی وجہ نہ بتلادوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو منظور کیا اور ساتھ ہو لئے پھر انہوں نے راستے میں اول ایک کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا پھر ایک لڑکے کو جان سے مار ڈالا، موسیٰ علیہ السلام نے بے ساختہ اس پر باز پرس کی کہ یہ کیا حرکت ہے کہ تم نے ایک معصوم بچہ کو جان سے ناحق مار ڈالا۔ خضر علیہ السلام نے وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ سے صبر نہ ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب سے اگر وعدہ خلافی کروں تو مجھ کو ساتھ نہ رکھئے گا۔ اس کے بعد موسیٰ نے پھر ایک بات پر باز پرس کی اور خضر علیہ السلام نے فرمایا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ اور ایسی بات کو دیکھ کر جس کا سمجھنا تمہارے قابو میں نہیں کیونکر ٹھہروگے، میرے اور تمہارے درمیان اب جدائی ہے۔ اور اس کے بعد اپنے سب افعال کی حقیقت ظاہر کی جس کا مفصل ذکر قرآن میں مذکور ہے۔

علم باطن کے شرائط وآداب

یہاں سے بزرگوں نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ شیخ پر مواخذہ وانکار پر عجلت نہ کرنا چاہیے، ورنہ اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو اس قصہ میں ہوا کہ شیخ بھی خضر علیہ السلام کی طرح کہہ دے گا هذا فراق مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خضر در بحر کشتی را شکست — صد درستی در شکست خضر ہست (۱)
صبر کن در کار خضر ای بے نفاق — تانگوید خضر رو ہذا فراق (۲)

(۱) ''اگر خضر نے سمندر میں کشتی توڑ دی تو خضرؑ کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں درستگی ہیں'' (۲) ''اے بے نفاق! خضر علیہ السلام کے کام میں بھی صبر کرتا کہ خضر علیہ السلام اس راہ میں نہ کہہ دیں کہ یہ جدائی ہے''۔

مولانا کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ خضر علیہ السلام باطن میں موسیٰ علیہ السلام سے کامل تھے بلکہ تشبیہ شیخ کو خضر علیہ السلام قرار دے کر کلام فرمارہے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب علم خضر میں جو علم باطن یعنی موسیٰ کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اس قدر شرائط وآداب ہیں کہ علم باطن میں جو اس سے افضل ہے ضرور ان آداب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر آج کل لوگ ذرا ادب نہیں کرتے اور یوں تاویل تو ہر بات میں ہوسکتی ہے۔ انبہٹہ میں ایک شخص نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تو آپ کو بجائے باپ ہی کے سمجھتا ہوں۔ یقینا یہ شخص گستاخ نالائق نہ تھا۔ گو یہ تاویل وہ بھی کرسکتا تھا کہ لفظ بجائے زائد ہے جیسے پیشوائے چو مصطفی داریم میں حرف تشبیہ زائد ہے بہرحال ہماری ہر چیز خدا کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے ادبی کرنے لگو اور بے ادبی کو جائز سمجھ کر اپنی ناک کو خدا کی ناک اور اپنی بیوی کو خدا کی بیوی کہنے لگو نعوذ باللہ من ذالک۔

ممانعت قتل نفس کی حکمت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو لوگ فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینے کو بہادری سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جان تمہاری نہیں بلکہ خدا کی چیز ہے جس میں بدون اجازت کے تصرف جائز نہیں اور ممانعت قتل نفس کی حکمت فقط رحمت ہی نہیں بلکہ یہ وجہ بھی ہے کہ ہماری جان ہماری نہیں۔ بس اب اگر کسی مسلمان کو چاند میں جانے کا خیال ہوا تو اس کو علماء سے استفتاء کرنا واجب ہوگا۔ اس پر مفتی یہ سوال کرے گا کہ اس سفر میں خطرہ قویہ تو نہیں اس کے جواب میں مستفتی یہ خطرات بیان کریگا کہ نہ معلوم چاند میں کشش ہے یا نہیں اگر کشش نہ ہوئی تو ہم وہاں پہنچ کر بھی اس پر قرار نہیں پکڑ سکتے۔ خدا جانے کہاں گر پڑیں اور نہ معلوم اس کی سردی کا تحمل ہوسکے گا یا نہیں اس پر مفتی کہے گا کہ جب اس سفر کا نفع تو موہوم اور غیر ضروری اور خطرہ غالب تو یہ سفر حرام ہے۔ فقد قال اللّٰہ تعالیٰ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وقال ايضًا وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (۱) اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ شریعت میں ترقی کی حد ہے اور یہ کہ انسان

(۱) ''آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے سورۃ البقرۃ:۱۹۵۔ اپنے آپ کو خود سے ہلاکت میں مت ڈالو'' سورۃ النساء:۲۹۔

کی جان اس کی ملک نہیں کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔

آجکل کی ترقی کا منشاء

آجکل جو لوگ ترقی ترقی پکارتے ہیں ان کی ترقی کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنی جان کو اپنی ملک سمجھتے ہیں، خدا کی چیز نہیں سمجھتے۔ دوسرے ان کے یہاں ترقی کی کوئی حد نہیں بعض لوگ قطب جنوبی کی تحقیق کو گئے اور بہت آدمی اس خبط میں ہلاک ہو گئے بھلا یہ بھی کچھ عافیت ہے بلکہ یہ تو آفت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں یہ نفع ہے کہ ہمارا نام ہوگا میں کہتا ہوں اگر اس سے تم کو کیا نفع ہوا تم تو ہلاک ہو کر نہ معلوم جہنم کے کس طبقہ میں ہو گے۔ پیچھے اگر نام ہوا بھی تو تم کو کیا فائدہ جیسے بعض لوگ جائیداد حرام وحلال سے جمع کر کے چھوڑ جاتے ہیں تا کہ اولاد کے کام آئے میں کہتا ہوں اولاد کے کام آنے سے تم کو کیا فائدہ ہوگا۔ تم جہنم میں جلتے ہو گے اور اولاد گلچھرے(۱) اڑاتی ہوگی۔ اب بتلاؤ نام سے کیا فائدہ ہوا اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ نام بھی تو مطلوب ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے لیے دعا فرمائی وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ اور میرے لیے پیچھے آنے والے آدمیوں میں نیک نامی باقی رکھئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

کار بوزینہ نیست نجاری(۲)

بندر بھی آدمی کی نقل کیا کرتا ہے مگر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جو اس بندر کا ہوا تھا جس نے بڑھئی کی نقل کی تھی کہ اس کا سارا سرمایہ کھونٹی نکالنے سے دو لکڑیوں کے بیچ میں پھنس گیا اور وہ لگا چیخنے چلانے(۳) ادھر سے بڑھئی آ گیا اس نے بھی خوب مرمت کی۔ صاحبو! ابراہیمؑ پر تم اپنے کو قیاس نہ کرو ورنہ تمہاری مثال اس بندر جیسی ہوگی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو نیک نام کی تمنا کی ہے اس کا منشا یہ تھا کہ اس طرح میرے اقوال

(۱) عیش کرتی ہوگی (۲) ''بندر کا کام ترکھان کا نہیں ہے'' (۳) بے سمجھے نقل کرنے کی ممانعت کے لیے بندر کی مثال بیان کی۔ بڑھئی جب لکڑی چیرتا ہے تو اس کے اوپر ایک کھونٹی گاڑ دیتا ہے تا کہ آری آرام سے چلے، دونوں تختوں کے درمیان پھنس نہ جائے کیونکہ کھونٹی گڑی ہوئی ہونے کی وجہ سے درمیان میں خلاء بھی ہوتا ہے، بندر نے بڑھئی کو لکڑی کاٹتے ہوئے دیکھا تو خود آ کر اس لکڑی پر بیٹھ گیا بندر کے خصیتین لکڑی کے خلا میں آ گئے اس نے آری چلانی شروع کی اور کھونٹی نکالدی جس سے خصیتین تختوں کے درمیان پھنس گئے اور چلانے لگا۔

وافعال بھی محفوظ رہیں گے اور میرا اتباع زیادہ کیا جائیگا تو ثواب بھی مجھے زیادہ ملے گا اور قرب ودرجات میں بھی ترقی ہوگی۔ ان کو محض شہرت مطلوب نہ تھی۔ بہرحال آج کل لوگوں میں ترقی کی بہت ہوس ہے اور مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ یورپ کی تقلید کرکے ترقی کریں۔

کورانہ تقلید کی ممانعت

مگر آج تک ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ یورپ کی ترقی کی حقیقت کیا ہے بس انہوں نے تو ترقی کا نام سن لیا اور اندھے ہوکر ان کے پیچھے ہولئے یہ بھی نہ سوچا کہ ترقی کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ ہمارے امام کو حاصل بھی ہے یا نہیں اسی کا نام کورانہ تقلید ہے اور اسی کو شریعت نے منع کیا ہے اور اسی کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شان برباد داد کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد(۱)

بعض لوگ جو تقلید فی الاحکام (۲) کے منکر ہیں مقلدین کے مقابلہ میں مولانا کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں کہ دیکھو مولانا نے تقلید پر لعنت فرمائی ہے مگر یہ ان کا جہل ہے، مولانا نے مطلق تقلید پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ خاص تقلید پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے یوں نہیں فرمایا کہ دو صد لعنت بر تقلید باد (۳) بلکہ بریں تقلید باد فرمایا (۴)۔ جس میں اشارہ اس تقلید پر ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے اور اس سے پہلے یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک صوفی گدھے پر سوار ہوکر ایک خانقاہ میں پہنچے خانقاہ والے سچے متوکل نہ تھے بلکہ رہزن طریق نام کے متوکل تھے (۵) اور اس وقت ان کے یہاں کئی وقت کا فاقہ تھا۔ صوفی کو گدھے پر سوار دیکھ کر خوش ہوئے کہ شکار ہاتھ لگا۔ بس اس کے گدھے کو بیچ کر دو چار دن مزے اڑائیں گے۔ چنانچہ صوفی کی خوب خاطر کی اور گدھے کو اصطبل میں بھیج دیا۔ پھر ایک آدمی کے ہاتھ بازار میں بھیج کر فرخت کرادیا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے گئے۔ رات کو کھانے کے بعد سماع شروع ہوا تو ایک شخص نے قوال سے کہہ دیا کہ یہ گانا۔

خربرفت وخربرفت وخربرفت (۶)

---

(۱) ''مخلوق ایسی تقلید سے برباد ہوئی کہ ایسی تقلید پر دوسو لعنتیں'' (۲) احکام میں تقلید کرنے کے (۳) مطلق تقلید کرنے پر دوسو مرتبہ لعنت ہو، نہیں کہا (۴) بلکہ اس تقلید پر فرمایا ہے (۵) بلکہ ایسے متوکل تھے جو اس طریق کے ڈاکو ہیں (۶) ''گدھا گیا اور گدھا گیا اور گدھا چلا گیا''۔

قوال نے ایسا ہی کہا کیونکہ خانقاہ والوں کو سب لطف امروزہ (۱) اسی کی بدولت تھا ان کو وجد ہونے لگا اور اس کا تکرار شروع کر دیا سب کی دیکھا دیکھی وہ درویش بھی یہی کہنے لگے۔ خر برفت وخر برفت وخر برفت۔ کچھ عرصہ کے بعد مجلس سماع ختم ہوئی اور سب لوگ پڑ کر سو رہے صبح درویش نے اپنے خادم سے کہا کہ گدھے پر زین کسو تا کہ آگے روانہ ہوں خادم نے کہا حضور گدھا تو رات ہی سے غائب ہے نہ معلوم کون لے گیا۔ درویش نے کہا ارے کمبخت تو نے رات ہی کیوں نہ اطلاع کی تا کہ تفتیش کی جاتی خادم نے کہا حضور میں تو اطلاع کرنے گیا تھا مگر جب آپ کے پاس پہنچا تو میں نے مجلس سماع میں آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا خر برفت وخر برفت وخر برفت میں سمجھا کہ حضور کو گدھے کے جانے کا کشف ہو گیا ہے۔ درویش نے کہا کمبخت مجھے تو کچھ بھی خبر نہ تھی میں تو دوسروں کے دیکھا دیکھی کہہ رہا تھا۔ مولانا اس تقلید کی نسبت فرماتے ہیں:

خلق را تقلید شان برباد داد کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد (۲)

کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم

کاملین ومحققین کی تقلید کو اور حقیقت سمجھنے کے بعد جو تقلید ہو اس پر مولانا لعنت نہیں فرماتے بلکہ اس کا تو امر (۳) فرماتے ہیں۔

چوں گزیدی پیرِ من تسلیم شو ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو (۴)

جب کسی کو پیر بنایا کرو تو اس کی اطاعت ہر بات میں کرو اور اس کی تو اس قدر تاکید فرماتے ہیں کہ کامل کے سامنے بولنے کو بھی منع فرماتے ہیں:

صبر کن درکار خضرائے بے نفاق تا نگوید خضر روہذا فراق (۵)

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو (۶)

اور لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال (۷)

---

(۱) آج کا سارا لطف ومزہ (۲) ''کہ ایسی تقلید جیسی اس درویش نے کی تھی یعنی بے سمجھے اس تقلید پر مولانا لعنت فرمارہے ہیں'' (۳) حکم دیتے ہیں (۴) ''جب چُن لیا تو پھر اس کا کہنا مانو، حضرت موسیٰ کی طرح حضرت خضر کے ساتھ چلو'' (۵) ''اے بے نفاق خضرؑ کے کام میں صبر کرو تا کہ خضرؑ یہ نہ کہہ دیں کہ جدائی ہے'' (۶) ''قال کو چھوڑو، حال کے مرد بنو کسی اللہ والے کے سامنے روندے جاؤ'' (۷) ''آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور بغیر بحث مباحثہ کے آپ کی ملاقات سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے''۔

اور شیخ کی سختی پر اور اس کے امتحان پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتے ہیں:

چوں بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ مے دانی زعشق(۱)

گرنداری طاقت سوزن زدن از چنیں شیرژیاں بس دم مزن(۲)

اور جو لوگ مولانا کے ایک شعر سے مطلق تقلید کی مذمت ثابت کرتے ہیں وہ مولانا کے اس کلام کو بھی تو دیکھیں کہ اس میں وہ کسی تاکید سے تقلید کا امر فرما رہے ہیں۔ سب مجموعہ کو ملا کر حاصل یہ نکلے گا کہ مولانا کورانہ تقلید کی مذمت فرماتے ہیں نہ اس تقلید کی جو بصیرت اور تحقیق کے ساتھ ہو چنانچہ فرماتے ہیں۔

ایک شعر کا صحیح مفہوم

کور کورا نہ مرد در کربلا تانفتی چوں حسین اندر بلا(۳)

اس میں صاف طور پر تقلید کورانہ سے منع فرما رہے ہیں مگر اس شعر کا صحیح مطلب بھی سن لیجئے کیونکہ بہت لوگ اس کا مطلب غلط سمجھے ہوئے ہیں عام طور سے اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اندھے بن کر کربلا میں نہ جاؤ کہیں تم بھی حسین رضی اللہ عنہ کی طرح گرفتار بلا نہ ہو جاؤ پھر اس پر اشکال کرتے ہیں کہ اس میں حسینؓ کی تنقیص لازم آتی ہے۔ سبحان اللہ ترجمہ تو غلط تم کرو اور تنقیص کا الزام مولانا پر رکھو۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے کہ لفظ تا تعلیل کے واسطے نہیں بلکہ غایت کے واسطے ہے یعنی تم اندھے ہو کر کربلا میں نہ جاؤ جب تک کہ امام حسینؓ کی طرح بلا مجاہدہ کا تحمل نہ کر لو یعنی پہلے مجاہدات سے تصفیہ باطن کرو پھر کربلا میں جانے کا نام لینا کیونکہ امام حسینؓ بھی مجاہدہ سے فارغ ہو کر کربلا میں گئے تھے۔ اس لیے پہلے نہیں گئے اس پر کچھ بھی اشکال نہیں اور اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے کہ یہ شعر مولانا کا ہو مگر میرے نزدیک یہ شعر مولانا کا نہیں ہے کیونکہ مثنوی میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہر حال ممانعت کورانہ تقلید سے ہے۔ اور حقیقت سمجھ کر تقلید کرنے کا مضائقہ نہیں وہ ایک درجہ تحقیق ہی ہے۔

---

(۱) ''جب تُو ایک ہی زخم سے عشق سے بھاگتا ہے تو سوائے عشق کے نام کے اور کیا جانتا ہے'' (۲) ''جب تم کو سوئی چبھنے کو برداشت نہیں تو پھر ایک شیر کا نام مت لینا'' (۳) ''تم اندھے ہو کر کربلا نہ جاؤ جب تک حضرت حسینؓ کی مجاہدات سے تصفیہ باطن نہ کر لو''۔

تحقیق کی دو قسمیں

کیونکہ تحقیق کی دو قسمیں ہیں، ایک تفصیلی، ایک اجمالی اور تقلید تحقیق، تفصیلی کا توقسیم (۱) ہے اور تحقیق اجمالی کی قسم ہے (۲)، ہر مقلد کو اجمالاً اتنی تحقیق ہے کہ ہم اس امام کے مقلد ہیں وہ اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو اچھی طرح سمجھتا ہو (۳)۔

یورپی تقلید کا حاصل

ہاں ترقی کے بارہ میں جو آج کل یورپ کی تقلید کی جارہی ہے یہ البتہ کورانہ تقلید ہے کیونکہ ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ ان کی ترقی کا حاصل کیا ہے سو میں نے بتلادیا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کے لیے کوئی حد نہیں۔ ان کے یہاں تجاوز عن الحدود (۴) کا نام ترقی ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا۔ اور اسلام تو یقینا نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے۔ اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ حقیقی ترقی اسلام نے ہی سکھائی ہے۔ اور اہل یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں بلکہ جہل وحماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اہل یورپ کی ایجادات سے منتفع (۵) ہونا حرام ہے۔ میں اسباب راحت سے انتفاع کو منع نہیں کرتا ہوں میرا مطلب یہ ہے کہ حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں تم شوق سے ایجادات کرو اور دوسروں کی ایجادات سے نفع بھی حاصل کرو مگر حدود سے تجاوز نہ کرو۔ اور جن امور میں وہ لوگ حدود سے تجاوز کررہے ہیں ان میں ان کی تقلید نہ کرو اس زمانہ میں مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ یورپ کی ہر چیز کو ترقی میں دخیل سمجھتے ہیں حتی کہ لباس اور وضع میں بھی ان کی تقلید کرنے لگے۔ بھلا کوئی پوچھے کہ اس کو ترقی میں کیا دخل ہے۔ دین کی ترقی میں دخل نہ ہونا ظاہر ہے میں کہتا ہوں کہ دنیا کی بھی اس میں کچھ ترقی

(۱) مقابل (۲) ایک جزء ہے (۳) حضرت نے تحقیق کی دو قسمیں کی ہیں ایک تفصیلی، ایک اجمالی، تفصیلی تحقیق مجتہد کا کام ہے، مجتہد ہی مسئلہ کی علت واسباب پر غور کرکے مسئلہ کی تحقیق کرے گا اور اجمالی تحقیق یہ ہے کہ یہ معلوم کرلیا جائے کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔ اسی کی ایک قسم تقلید بھی ہے۔ چنانچہ ہر مقلد کو یہ تحقیق ہے کہ ہم مثلاً امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور وہ اللہ اور رسول کی مراد کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں اس لیے تقلید کو تحقیق تفصیلی کا مقابل قرار دیا اور تحقیق اجمالی کا جز جیسے اسم فعل ایک دوسرے کے مقابل ہیں لیکن کلمہ کے دونوں جز ہیں (۴) حدود سے تجاوز کرنے کا نام ترقی ہے (۵) نفع اٹھانا۔

نہیں بلکہ تنزلی ہے کیونکہ ان کے فیشن کا اتباع کرنا بدون زیادہ روپے خرچ کرنے کے دشوار ہے۔ ہندوستانی لباس ایک دو روپیہ میں تیار ہوسکتا ہے اور کوٹ پتلون بوٹ سوٹ پندرہ بیس روپے سے کم میں تیار نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کے لوازمات بھی چار پانچ روپے سے کم میں تیار نہیں ہوسکتے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کو ترقی دنیا کہنا کس حد تک صحیح ہے۔

شعار قومی میں تشبہ حرام ہے

بہر حال میں ایجادات یورپ سے انتفاع (۱) کو منع نہیں کرتا ہوں تشبہ اور کورانہ تقلید سے منع کرتا ہوں اور تشبہ بالکفار (۲) جو کہ شریعت میں حرام ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تشبہ بالکفار امور مذہبیہ میں تو حرام ہے اور شعار قومی میں مکروہ تحریمی ہے باقی ایجادات وانتظامات میں جائز ہے وہ درحقیقت تشبہ ہی نہیں بعض لوگ ان احکامات کو خارج شریعت سمجھتے ہیں اس لیے میں نے اس مضمون کو بیان کردیا اور بتلادیا کہ شعار قومی میں بھی تشبہ حرام ہے۔ گو قسم اول کے درجہ میں نہ ہو مگر پیشاب پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب پینا گوارا کرلے گا ہرگز نہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوٹ پتلون پہن کر ٹوپی تو اسلامی پہن لی ہے اب تشبہ کہاں رہا میں کہتا ہوں تشبہ کامل نہ سہی ناقص تو ہوا اگر آپ ایسا کرسکیں تو سارا لباس زنانہ پہن کر اوپر سے مردانہ ٹوپی پہن لیں اور اس سے محفل میں جاسکیں تو ہم آپ کو اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ کی بھی اجازت دے دیں گے۔

مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے

صاحبو! متشبہ صورت بھی ممنوع ہے۔ ہمارے یہاں ایک طالب علم کنویں کے پاس پاجامہ دھورہے ہیں میں نے پوچھا یہ پاجامہ پاک ہے یا ناپاک کہا مشتبہ ہے میں نے کہا پھر تم اس کو کنویں کے پاس دھوتے ہو اور یہی ہاتھ ڈول رسی کو لگاتے ہو جس سے سارا کنواں مشتبہ ہوجائے گا۔ تم خانقاہ سے نکلو تم کو ہدایہ پڑھ کر بھی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں، کہنے لگے مجھے عقل نہیں میں نے کہا اس جواب سے جرم کی تو نفی ہوگئی مگر ضرورت

(۱) فائدہ اٹھانے کو منع نہیں کرتا (۲) کافروں کی مشابہت اختیار کرنا۔

اخراج کی نفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اخراج کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جرم ہی پر اخراج ہو بلکہ کم عقلی بھی موجب اخراج ہے۔

غرض انکو خانقاہ سے نکال دیا گیا تو یہ آپ نے دیکھا کہ مشتبہ پاجامہ کو ناپاک ہی کا حکم دیا گیا جیسے ناپاک کپڑوں کا دھونا کنویں کے پاس جرم ہے۔ ایسے ہی مشتبہ کپڑے کا دھونا بھی جرم ہے۔ اسی طرح آپ اس کو سمجھ لیجئے کہ اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ پہننے سے گو آپ بالکل ناپاک تو نہ ہوں گے مگر مشتبہ تو ہو جائیں گے اور اسلام نے مشتبہ صورت سے بھی منع کیا ہے۔ صاحبو! کیا یہ حیرت نہیں ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق ہو کہ وہ جرمنی وردی کو جرم قرار دے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ حق نہ ہو کہ آپ ﷺ دشمنان خدا کی وضع کو جرم قرار دیں۔

تشبہ بالکفار کی تفصیل

مگر اسلام میں تعصب نہیں چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلے میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شے کفار کی شعار قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق، توپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ۔ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں بندوق ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں نعم السلاح کہ بہت اچھا ہتھیار ہے میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا صرف تائید بیان کر دیا ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ سے ہے اور اس قاعدہ کی بناء پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجادات یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے اور نہ اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے۔ غیر مقاصد کی تعلیم نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے بی اے کے سکول میں جوتا بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی اور یہ اس کے لیے نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور اگر کسی سکول میں بی اے کے ساتھ جوتا سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لیے نقص ہوگا کمال نہ ہوگا۔

اسلام میں تعصب نہیں

حکیم محمود خاں کا یہ کمال تھا کہ وہ جوتا بنانے کی ترکیب نہیں سکھاتے تھے ہاں یہ بتاتے تھے کہ جوتا اس طرح مت سلواؤ کہ اس کی میخیں (۱) ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہوجائے اس طرح اسلام ایجادات نہیں سکھلاتا ہاں یہ سکھاتا ہے کہ کسی ایجاد کو اس طرح اختیار نہ کرو جس سے دین میں خلل ہو یا جان کا خطرہ ہو اسی طرح یہ بتاتا ہے کہ بے ضرورت ایجادات کے درپے ہوکر ضروری کاموں کا ضائع نہ کرو اور ضروری ایجادات میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ موہوم منفعت کے لیے خطرہ قویہ کا تحمل (۲) نہ کرو غرض اصول تو ہر ایجاد کے متعلق بتلادیئے ہیں مگر ان کی ترکیب نہیں بتلائی کیونکہ یہ مقصود اسلام سے الگ ہے اور کمال اسی کا نام ہے کہ مقصود سے تجاوز نہ کیا جائے یہ تو ان ایجادات کا حکم تھا جن کا بدل مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور فرمایا علیکم بالقوس العربی بها یفتح اللّٰه علیکم او کمال قال کہ عربی کمان کا استعمال کیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو اسی کے ذریعہ سے فتوحات دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربی اسلحہ ہی سے صحابہ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے فارسی کمان سے اس لیے منع فرمایا کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا۔ غرض اسلام میں تعصب نہیں جیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا ہاں اسلام میں غیرت ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے اس میں اسلام نے تشبہ بالکفار (۳) سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جائے۔ مگر آجکل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہوکر بلکہ یوں کہئے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادت و معاشرت کا اتباع کرنے لگے بس نئی مثال ایسی ہے

(۱) کیلیں (۲) موہوم فائدہ کی امید پر بڑا خطرہ مول نہ لو (۳) کفار کی مشابہت سے روکا ہے۔

جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

یک سبد پرنان ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب نان دربدر(۱)
تابہ زانوی میان قعر آب وزعطش وزجوع کشتی خراب(۲)

آزادی نسواں اور تقلید

چنانچہ آج کل بے پردگی میں بھی مسلمان یورپ کی تقلید کرنے لگے ہیں حالانکہ یورپ والے عورتوں کی آزادی سے خود بہت گھبرائے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات دینا چاہتے ہیں یہ سبق بھی یورپ ہی سے سیکھا ہے اور یورپ والے اس سے بھی گھبرائے ہیں۔ کیونکہ عورتوں نے ان کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوگا اہل یورپ کو عورتوں نے کیسے پریشان کر رکھا ہے۔ صاحبو! اسلام کی تعلیم کی قدر کرو اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۳) یعنی حقوق میں تو عورتیں مردوں کے مساوی ہیں مگر درجہ میں مرد بڑھے ہوئے ہیں جس کو دوسرے مقام پر صاف طور پر بیان فرمایا ہے الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (۴) کہ مرد عورتوں پر سردار ہیں کیونکہ خدا نے ان کو فضیلت دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں اور نہ ان پر حکومت کر سکتی ہیں لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں اگر وہ چاہتے تو مرد و عورت دونوں کو برابر کر دیتے مگر وہ حکیم بھی ہیں حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ برابر نہ ہوں اگر عورتوں کو آزادی دے دی جائے تو پھر ان کی آزادی کی روک تھام بہت دشوار ہوگی۔ جیسا کہ اہل یورپ کو دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ کیونکہ اول تو آزادی کی روک تھام عقل سے ہوتی ہے اور عورتوں میں عقل نہیں۔ ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے (۵) دوسرے طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ

(۱) روٹیوں کا ایک بھرا تھال خیر سے سر پر ہے اور تو ندی کے کنارے در بدر روٹی ڈھونڈ رہا ہے" (۲) "پانی کی گہرائی کے درمیان زانو تک پیاس اور بھوک سے کشتی خراب ہے" (۳) سورۃ البقرہ: ۲۲۸ (۴) سورۃ النساء: ۳۴ (۵) کم عقل ہونا ظاہر ہے۔

تک بندر ہی ہو جب اس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دم سے ابل پڑتی ہے۔ جیسے امریکہ والے ایک عرصہ تک جاہل رہے جب ان کو تعلیم حاصل ہوئی تو ایک دم سے ایسے ابل پڑے کہ اپنے استاد سے بھی آگے بڑھ گئے۔اس قاعدہ کی بنا پر ہندوستان کی عورتوں کو بلکہ مسلمانوں کی عورتوں کو تو ہرگز آزادی دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اب تک وہ قید میں رہیں اگر انکو آزادی مل گئی تو یقینا ایک دم سے ابل پڑیں گی۔غرض اسلام میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات تو نہیں ہے۔مگر حقوق کی اس قدر رعایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت (۱) کی ہے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل ہے۔ واللہ بنا ہوا مدعی کبھی ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ ان کو اندیشہ ہر وقت رہے گا کہ میں ایسا فعل نہ کروں جس پر کسی کو اعتراض ہو یا کسی کی نظر میں سبکی (۲) ہو مگر آپ سچے تھے اور سچا آدمی بے نظیر ہوتا ہے کہ میرے اوپر اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ میری سچائی کے دلائل قویہ موجود ہیں اور اگر اس پر بھی کوئی اعتراض کرے گا تو اپنی عاقبت خود خراب کریگا۔اسی طرح قرآن میں جو آیات آپ کے لیے لفظاً متضمن عتاب ہیں آپ کا ان کو ظاہر کردینا بھی آپ کی حقانیت کی دلیل ہے اگر نعوذ باللہ قرآن آپ کی تصنیف ہوتا تو ان آیات کو آپ کیوں تصنیف کرتے کیونکہ کوئی شخص اپنے اوپر خود کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں دیا کرتا مگر آپ سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لیے قرآن کی سب آیات ظاہر کردیں وہ بھی جن میں آپ کی مدح وثنا تھی اور وہ بھی جن میں آپ پر لفظاً کسی قدر عتاب تھا۔ غرض اسلام میں عورتوں کے حقوق معاشرت کی اس درجہ رعایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت کی ہے اور ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو حبشی لڑکوں کا ورزشی کھیل دکھایا ہے جو عید کے دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نیزے وغیرہ سے کھیل رہے تھے۔مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہ مرد حاکم ہے اور عورتیں محکوم ہیں یہ نہیں کہ دونوں کا درجہ مساوی ہو بلکہ حدود کی رعایت ضروری ہے۔عورتوں کے ساتھ بھی اور اولاد کے ساتھ بھی۔

(۱) دوڑ لگائی (۲) شرمندگی۔

اولاد کے حقوق

اولاد کے بہت سے حقوق والدین کے ذمہ ہیں مگر اسی کے ساتھ اولاد کا درجہ والدین کے مساوی نہیں بلکہ اولاد محکوم ہے اور والدین حاکم ہیں۔ چنانچہ اولاد کا ایک حق والدین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح کریں انکو تعلیم دیں بعض لوگ اولاد کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ ناز ونعم میں پالتے ہیں اس کا انجام یہ ہوتا ہے جو میں نے کانپور میں دیکھا کہ ایک نواب صاحب ماہوار پر جامع مسجد کا سقاوہ بھرا کرتے تھے سب لوگ ان کو نواب نواب کہتے تھے میں نے اول تو یہ سمجھا کہ اس کا نام ہی نواب ہوگا پھر معلوم ہوا کہ نہیں یہ واقع میں نواب تھے ان کے پاس بڑی ریاست تھی مگر عیاشی میں سب برباد کردی اور اس وقت ان کی زندگی بہت تلخ تھی۔ صاحبو! جب بچپن میں اولاد کے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تعلیم نہ دی جائے تو بڑے ہوکر جب اس کے ہاتھ میں ریاست آئے گی تو اس کا یہی انجام ہوگا جو ان نواب صاحب کا ہوا۔ ہمارے ماموں صاحب کا ایک شعر ایسے رئیسوں کے بارے میں بڑا عمدہ ہے فرماتے ہیں۔

ہے شرافت تو کہاں بس شروآفت ہے فقط ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

اور اس تمام تر بربادی کا منشا وہی تجاوز عن الحدود ہے(۱) کہ مثلاً اولاد کو اس کی حدود پر رکھا جس سے بسا اوقات تجاوز عن المقصود ہوجاتا ہے۔ اسی لیے شریعت نے حفظ حدود کا بہت اہتمام کیا ہے اسی کا ذکر ہے وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ (۲) میں اس کے بعد فرماتے ہیں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ کہ ایسے مسلمانوں کو بشارت دیجئے کس چیز کی؟ جنت کی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۳) میں۔ سبحان اللہ کس قدر کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو

(۱) اس ساری بربادی کا سبب حدود سے تجاوز کرنا (۲) ''اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرنے والے'' سورۃ التوبہ: ۱۱۲ (۳) ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال خرید لیا اس قیمت پر کہ ان کے واسطے جنت ہے'' سورۃ التوبہ: ۱۱۱۔

تعلیم بھی دیتے ہیں اور اس کے اوپر انعام بھی دیتے ہیں اگر کوئی باپ بچہ کو تعلیم دے تو یہی اس کا بڑا احسان ہے اور اگر کوئی باپ ہر روز دو روپے بھی دیا کرے تو بڑا کامل شفیق ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے برابر کسی باپ کے انعامات نہیں ہو سکتے کیونکہ جنت کے برابر کوئی انعام نہیں ہوسکتا۔

جنت بہت بڑا انعام ہے

مولانا محمد یعقوب صاحب مجازی معنی کے اعتبار سے فرماتے تھے کہ جنت کیا ہوگی گویا چھوٹی سی خدائی ہوگی کیونکہ آدمی وہاں جس چیز کی خواہش کرے گا فوراً موجود ہوجائے گی وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (۱) اور اللہ تعالیٰ دل کی بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں بس ادھر آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور ادھر اس کا ظہور ہوگیا بس اللہ تعالیٰ کے دربار کی ایسی شان ہے کہ:

نیم جان بستاند وصد جاں دہد انچہ در وہمت نیاید آں دہد(۲)
کس نیاید ایں چنیں بازار را کہ بیک گل میخری گلزار را(۳)

وہ ایک گل کے بدلے میں باغ دیتے ہیں اور تمہارا گل بھی تم کو واپس دیتے ہیں کیونکہ جنت کی نعمتیں اعمال کی مثالی صورتیں ہیں حدیث میں ہے۔ ان الجنة قيعان وغراسها سبحان اللّٰه والحمد لله ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اكبر (۴) کہ جنت کا میدان صاف ہے اس کی پودیہ کلمات ہیں سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ادھر تم نے سبحان اللہ کہا ادھر جنت میں ایک درخت لگ گیا۔ آیت قَالُواْ هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی اعمال ہیں جو ہم کو

(۱) اور تمہارے واسطے وہاں ہے جو چاہے دل تمہارا اور تمہارے لیے ہے جو کچھ مانگو، (۲) ''فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں باقی جان عطا فرماتے ہیں جو وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگتا'' سورۃ فصّلت: ۳۱ (۳) ''تم ایسا بازار کہاں سے لاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے پورا باغ خریدلو'' (۴) المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰/ ۲۱۴)

دنیا میں دیئے گئے تھے۔ اور اس جگہ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے) میں اعمال اس واسطے رکھا گیا تاکہ ہر شخص کو اپنی تمنا وآرزو میں آزادی رہے کہ جس چیز کا جی چاہے گا وہ اسی کی بشارت سمجھ لے ورنہ اگر بعض نعمتوں کا ذکر ہو کیونکہ تمام کا ذکر تو تطویل کلام کو مستلزم ہے(۱) تو شاید کسی کو ان کے علاوہ کسی نعمت کی تمنا ہو اس لیے تفصیل کی بجائے اجمال پر اکتفا کیا گیا۔

حفاظت حدود پر بشارت

بہرحال یہ حق تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ حالانکہ حفظ حدود وغیرہ میں ہماری ہی مصلحت ہے مگر اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر جنت کی بشارت بھی دیتے ہیں اور یہ بشارت اصل میں رعایت حدود ہی پر ہے کیونکہ جس قدر اعمال یہاں مذکور ہیں سب میں حفظ حدود ملحوظ ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوجائے گا دوسرے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (ایمان والوں کو بشارت دیجئے) کو وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے) سے لفظی اتصال بھی ہے بس بشارت کا تعلق اس کے ساتھ قوی ہے۔

مقاصد کی دو قسمیں

اب میں کہتا ہوں کہ مقاصد دو قسم کے ہیں ایک مقاصد دینیہ دوسرے مقاصد دنیویہ اور مقاصد دینیہ مقصود بالذات ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ترقی فی الدنیا ترقی فی غیر المقصود ہے اور ترقی فی الدین ترقی فی المقصود ہے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ ترقی فی الدین کے لیے کوئی حد نہ ہوتی۔ کیونکہ ظاہر میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مقصود میں جس قدر بھی ترقی ہو بہتر ہی ہے مگر ترقی فی الدین کے لیے بھی حدود ہیں بلکہ حدود کے ساتھ قیود بھی ہیں۔ میرے نزدیک حدود اور قیود میں فرق ہے جو غالباً لغت کے موافق ہے حد وہ ہے جو کسی شے کا منتہا ہو اور قید وہ ہے جو اس حد کے اندر اس شے میں تخصیص کردے مثلاً نماز کی ایک تو حد ہے کہ عصر کی نماز میں چار رکعات ہیں اس سے زیادہ کرنا منع ہے

(۱) تمام نعمتوں کے ذکر کرنے سے تو کلام لمبا ہوجاتا ہے۔

اور قیود یہ ہیں جیسے نماز کے لیے باوضو ہونا مستقبل قبلہ ہونا، اسی طرح طہارت مکان ولباس وغیرہ اور اطلاق ان دونوں کا تقابل ہے حد بھی اطلاق کے منافی ہے اور قید بھی۔

تمام مقاصد دینیہ میں حدود

اور غور کر کے دیکھا جائے تو تمام مقاصد دینیہ میں حدود قیود دونوں موجود ہیں چنانچہ نماز تمام مقاصد میں سب سے اعلیٰ ہے نماز میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اجمالی درجہ میں یہ تمام عبادات کی جامع ہے۔ روزہ کی شان اسی میں موجود ہے کیونکہ نماز کے اندر کھانا پینا جماع کرنا بوس وکنار کرنا حرام ہے۔ حتی کہ حنفیہ کے یہاں تو محاذات نساء بھی مبطل صلوٰۃ ہے۔ حالانکہ روزہ محاذات تو کیا معانقات سے بھی باطل نہیں ہوتا(۱)۔ اور حج کی شان بھی اس میں موجود ہے کیونکہ استقبال قبلہ نماز میں فرض ہے اور حج کی روح تعظیم ہی ہے جو استقبال سے حاصل ہے زکوٰۃ بھی اس میں موجود ہے۔ کیونکہ بدوں انفاق مال کے لباس وغیرہ حاصل نہیں ہوسکتا اور ستر عورت نماز میں فرض ہے اعتکاف بھی اس میں موجود ہے کیونکہ جب تک نمازی نماز میں ہے اس وقت تک وہ اسی جگہ محبوس ہے وہاں سے کہیں جا نہیں سکتا اور ایک بات اعتکاف سے بھی زیادہ ہے کہ نماز میں بات چیت بھی نہیں کرسکتا اور قربانی کی شان بھی اس میں موجود ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

معنی تکبیر ایں است اے امیم — کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم(۲)
وقت ذبح اللہ اکبر می کنی — ہمچنیں درذبح نفس کشتنی(۳)

قربانی سے مقصود

کہ یہ اللہ اکبر جو نماز میں کہا جاتا ہے یہ وہی ہے جو جانور کے ذبح کے وقت کہا جاتا ہے وہاں جانور کو اللہ کے نام پر قربان کرتے ہو۔ نماز میں اپنے نفس کو قربان کرتے ہو اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ قربانی سے مقصود اظہار عظمت حق ہے کہ

(۱) بیوی کو لپٹانے سے بھی نہیں ٹوٹتا (۲) ''اے امیم تکبیر کے معنی ہیں کہ اے اللہ ہم تیرے سامنے قربان ہوتے ہیں'' (۳) ''اسی طرح نفس کے زیر کرتے وقت کہ جس طرح ذبح کے وقت تُو اللہ اکبر کہتا ہے''۔

ہم نے اپنی محبوب چیز کو اللہ کے نام پر قربان کر دیا اور یہ مقصود نماز میں اس سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ یہاں انسان تکبیر کہہ کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا اور اللہ اکبر کہہ کر خدا کے سامنے جھکتا اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنی عزت اور بڑائی کو خدا کے سامنے فنا کر دیا اور دماغ سے تکبر کا خناس نکال دیا۔ صاحبو! مال کو خدا کے نام پر قربان کرنے سے یہ زیادہ دشوار ہے چنانچہ متکبرین کو خیرات کرنا قربانی کرنا آسان ہے مگر نماز دشوار ہے۔ کیونکہ اس میں عاجزی اور غلامی کی ایسی صورت بنانا پڑتی ہے جو تکبر سے نہیں ہوسکتی غرض نماز میں توجہ الی اللہ شرط ہے۔ جو بدون افناء غیر(۱) کے نہیں ہوسکتی۔ قربانی میں تو افناء(۲) حیوان ہی تھا یہاں افناء نفس وافناء صفات نفس ہے(۳) اور گویا یہ بات زبان سے اللہ اکبر کہنے کے بغیر بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ مگر زبان سے اس لیے کہا جاتا ہے کہ عظمت حق کا دل میں رسوخ ہو جائے کیونکہ مشاہدہ ہے کہ ذکر لسانی سے قلب میں ذکر کو رسوخ ہوتا ہے اسی لیے شاعر کہتا ہے ؎

الا فاسقنی خمرا و قل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرا متی امکن الجھر(۴)

کہ مجھ کو شراب پلاؤ اور یہ کہتا رہ کہ یہ شراب ہے کیوں؟ اس لیے کہ اس سے شراب کی لذت بڑھتی ہے۔

لیلیٰ مجنوں کی سچی محبت

مجنوں کا قصہ ہے کہ اس کو کسی نے جنگل میں ریت کے اوپر انگلی سے کچھ لکھتے ہوئے دیکھا اور یہ سوال وجواب ہوا۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد دربیابان غمش بنشستہ فرد(۵)
ریگ کاغذ بود وانگشتان قلم مے نویسی بہر کس نامہ رقم(۶)
گفت اے مجنوں شیدا چیست این مے نویسی نامہ بہر کیست ایں(۷)

(۱) غیر اللہ کو فنا کئے بغیر (۲) جانور کو فنا کرنا ہے (۳) نفس اور اس کی صفات کو فنا کرنا پڑتا ہے (۴) ''خبردار مجھے شراب پلا اور کہہ یہ شراب ہے اور مجھے چھپا کر شراب مت پلا جب تک اس کا ظاہر کرنا ممکن ہو'' (۵) ''مجنوں کو کسی نے جنگل بیابان میں دیکھا کہ اکیلا ہی بیٹھا ہے'' (۶) ''ریت اس کا کاغذ ہے اور انگلیاں قلم ہیں اور انگلیوں سے ریت پر لکھ رہا ہے'' (۷) ''اس نے کہا لیلیٰ لکھ رہا ہوں اور اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں''۔

کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ حالانکہ مجنوں کی یہ کیفیت تھی کہ لیلیٰ اس کے دل میں رچی ہوئی تھی حتی کہ ایک بار لیلیٰ اس کے سامنے آئی اور کہا اے مجنوں میں لیلیٰ ہوں اس نے جواب دیا الیك عنی فان حبك قد شغلنی عنك کہ بس جاؤ اب مجھے ضرورت نہیں تیری محبت نے مجھے تجھ سے بھی مستغنی کر دیا۔ تو جس کے دل میں محبوب اس قدر رچا ہوا ہو اس کو مشق نام کی کیا ضرورت تھی؟ بس ضرورت یہ تھی کہ اس سے عشق کو رسوخ ہو جاتا ہے۔ ترک ذکر سے کچھ دنوں میں عشق زائل ہو جاتا ہے اور مجنوں کو زیادت عشق مطلوب تھی۔ اس لیے لیلیٰ کے نام زباں پر بھی لیتا اور انگلیوں سے بھی لکھتا تھا ایک دفعہ مجنوں کا باپ اس کو حج کے واسطے لے گیا اور خانہ کعبہ کے پاس لیجا کر کہا کہ غلاف کعبہ ہاتھ میں لیکر دعا کر اللھم اسلبنی حب لیلی کہ اللہ میرے دل سے لیلیٰ کی محبت نکال دے مجنوں غلاف کعبہ پکڑ کر کہنے لگا۔ اللھم زدنی حب لیلی اے اللہ مجھے لیلیٰ کی محبت اور بڑھا دے۔ یہ کہہ کر رونے لگا اور یہ کہا

الھی تبت عن کل المعاصی ولکن حب لیلی لا اتوب(۱)

مجنوں نیک مسلمان تھا اس کو لیلیٰ سے سچی محبت تھی آج کل کے فساق جیسی محبت نہ تھی مگر باوجود اتنی محبت کے بھی وہ ذکر لیلیٰ کو ترک نہ کرتا تھا۔ تاکہ محبت اور زیادہ ہو اسی وجہ سے نماز میں زبان سے اللہ اکبر کہا جاتا ہے تاکہ بار بار کی تکبیر سے دل پر چوٹ لگے اور ہر تکبیر کے ساتھ دل عظمت حق سے بھر جائے اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ قول

وقت ذبح اللہ اکبر می کنی ہمچنیں درذبح نفس کشتنی(۲)

حقیقت ہے شاعری محض نہیں ہے۔

نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے

غرض نماز ایسی شے ہے جو تمام عبادات کی میزان الکل ہے۔ گو ظاہر میں مختصر شے ہے اور میزان الکل تو ذرا سا ہوتا ہے دیکھو کئی لاکھ کا حساب کر کے میزان الکل تو اس

(۱) ''اے اللہ میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کرتا'' (۲) ''ذبح کے وقت اللہ اکبر کرتے ہو اسی طرح نفس کے قتل کرنے کے وقت کہتے رہو''

کا اسی طرح میں لکھ دیا جاتا ہے مگر تفصیل میں کئی رم کاغذ صرف ہوجائیں گے، تو چاہیے تھا کہ نماز میں حدود وقیود بالکل نہ ہوتے بلکہ اطلاق ہی اطلاق ہوتا مثل مشہور ہے کہ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارو مگر یہاں مصری کی ڈلی میں بھی حدود ہیں۔ ایک بار میں دیوبند میں بیمار ہوگیا تھا، مولانا محمد یعقوب صاحب سے نسخہ لکھوایا کیونکہ مولانا بڑے حاذق طبیب بھی تھے۔ جب مولانا نسخہ لکھ چکے تو میں نے پوچھا حضرت اس کا پرہیز کیا ہے۔ فرمایا گناہ سے پرہیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے مصری کی رغبت زیادہ ہے وہ کھالوں یا نہیں فرمایا ہاں کھالو مگر سیر دو سیر نہ کھانا۔ غرض نماز جیسی شے میں بھی حدود وقیود ہیں حالانکہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ حدود وقیود موجب تقلیل محدود ہیں (۱)۔ دیکھو رجل (۲) میں کیسا عموم تھا اس کے ساتھ جب عالم کی قید بڑھادی گئی تو اس کی تقلیل ہوگئی۔ اسی طرح اگر نماز میں اطلاق ہوتا تو اس کا وجود کثیر ہوتا حدود وقیود کی وجہ سے اس میں تقلیل ہوگئی۔ مگر شریعت کو تکثیر مطلوب نہیں بلکہ کمال مطلوب ہے گو قلت ہی کے ساتھ ہو۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب مقاصد میں اتنی قیود وحدود ہیں جن سے مقاصد کی تقلیل ہوگئی اب اگر غیر مقاصد میں قیود ہوں تو کیا عجب ہے۔

زکوٰۃ کے حدود

نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے زکوٰۃ میں حدود وقیود ہیں کہ نصاب فاضل شرط ہے (۳)۔ حولان حول (۴) شرط ہے۔ مصرف میں بہت سی قیود ہیں، روزہ کو لیجئے تو اس میں بھی حدود وقیود ہیں کہ رات کو روزہ حرام ہے دن میں ہی ہونا ضروری ہے، صوم وصال مکروہ ہے، غروب سے ایک منٹ پہلے افطار ہوجائے تو روزہ فاسد ہے، طلوع صبح کے ایک منٹ بعد سحری کھائے تو روزہ فاسد ہے، ایام منہی عنہا (۵) میں روزہ حرام ہے۔

(۱) جس میں قیدیں زیادہ ہوں وہ عمل کم پایا جاتا ہے (۲) کہ ہر مرد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے چاہے عالم ہو جاہل ہو کافر ہو یا مسلمان (۳) مقررہ نصاب شرط ہے (۴) پورے سال کا گزرنا (۵) جن دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔ یعنی عید الفطر اور دس تاریخ ذی الحجہ سے ۱۳ تاریخ تک کل پانچ روز روزہ رکھنا منع ہے۔

حج کے حدود و قیود

حج کے لیے بھی حدود و قیود ہیں۔ احرام شرط ہے وقوف عرفہ خاص تاریخ میں ضروری ہے اگر وہ تاریخ نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے حج کیا جائے تو لغو ہے۔ قربانی میں بھی حدود ہیں کہ خاص ایام ہی میں ہوسکتی ہے۔ ان ایام کے بعد ہزار جانور ذبح کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ پھر جانور میں ایسا ہوا ایسا نہ ہو وغیرہ وغیرہ جب مقاصد میں اتنی حدود ہیں پھر غیر مقاصد میں کیوں نہ ہوں پس آج کل جو لوگوں نے ترقی دنیا کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ کسی شے کے لیے کوئی حد نہیں یقینا یہ صورت اسلام کے بھی خلاف ہے اور عقل کے خلاف ہونا اوپر معلوم ہو چکا۔ اب میں ان چیزوں کے حدود و قیود کا ذکر کرتا ہوں جن کا اس آیت میں ذکر ہے تا کہ انکا بھی کچھ بیان ہو جائے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہاں جتنے امور مذکور ہیں سب میں حفظ حدود بھی مرعی ہے(۱)۔ سب سے پہلے یہاں پر التَّآئِبُونَ ہے اوپر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ اب ان کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان کیسے ہیں تو فرماتے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔

گناہ کے حدود و قیود

سب کو معلوم ہے کہ توبہ کیسی چیز ہے جس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں حتی کہ کفر جیسے سنگین جرم کا علاج بھی توبہ ہی ہے مگر اس میں بھی حدود ہیں کہ گناہ سر(۲) کی توبہ میں اعلان جائز نہیں بلکہ جو گناہ چھپ کر کیا ہو اس سے توبہ بھی مخفی طور پر کی جائے ہاں گناہ اعلانیہ کی توبہ علانیہ واجب ہے۔ یعنی جن لوگوں کے سامنے وہ گناہ ہوا تھا ان پر توبہ کا بھی اظہار کر دے تا کہ وہ سوء ظن سے(۳) محفوظ رہیں اور اس کے فعل سے

(۱) حفاظت حدود کی رعایت ہے (۲) پوشیدہ گناہ (۳) بدگمانی۔

استدلال نہ کریں اگر یہ شخص مقتدا ہو، اور جن لوگوں کو گناہ کا علم نہیں ہوا ان کے سامنے گناہ علانیہ کی توبہ کا بھی اظہار نہ کرے ہاں ایک صورت اظہار کی جائز ہے وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے کسی مرض باطنی کے معالجہ سے عاجز ہوگیا ہو اس لیے شیخ کو اطلاع کرنے کی ضرورت ہو تو شیخ سے بغرض علاج اس کا اظہار جائز ہے۔ جیسا کہ طبیب کے سامنے بدن مستور[۱] کا کھولنا بغرض علاج جائز ہے۔ اور توبہ کے افراد میں سے استغفار بھی ہے اس میں بھی حدود وقیود ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ اذا نعس احد کم فلیر قد فلعله یستغفر فیسب نفسه او کما قال[۲] کہ جب کوئی شخص استغفار کرتے ہوئے اونگھنے لگے تو اس کو چاہیے کہ ابھی استغفار بند کردے اور سو رہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اپنے نزدیک استغفار کرے اور زبان سے بددعا نکل جائے۔

نیند کا اعتدال

اسی واسطے جب کوئی ذاکر مولانا گنگوہیؒ سے پوچھتا کہ ذکر میں نیند آتی ہے ایسے وقت کیا کرے؟ مولانا یہ فرماتے ہیں کہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہے۔ مگر اس میں میرا اجتہاد یہ ہے کہ جو شخص رات بھر خرخر کرے جس میں گویا اپنے خر[۳] ہونے کا اقرار ہے اور اسی سے پہلے انا مقدر ہے یعنی انا خر انا خر[۴] اس کے واسطے یہ حکم نہیں بلکہ اس کے واسطے میری تجویز یہ ہے کہ سیاہ مرچیں جیب میں رکھ لیا کرے جب نیند کا غلبہ ہو ایک مرچ چبالے یہ مقوی دماغ بھی ہے اس واسطے مضر بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ جو شخص رات بھر سوتا رہے پھر بھی اس کو ذکر میں نیند آئے تو اس نیند کا منشاء کسل ہے[۵] ہاں جو شخص رات کے وقت معتدبہ جاگتا ہو پھر ذکر کرنے بیٹھا اور ذکر میں نیند آنے لگی تو اس کے واسطے وہی حکم ہے کہ سو رہے پھر کچھ دیر آرام کرکے ذکر میں مشغول ہو۔

(۱) جسم کے اس حصے کو کھولنا جس کا چھپانا فرض ہے جائز ہے (۲) سنن الترمذی ۳۵۵، مشکوٰۃ المصابیح ۱۲۴۵
(۳) گدھا ہونے کا اقرار (۴) میں گدھا ہوں (۵) سستی۔

بھوک کی دو قسمیں

غرض بھوک کی دو قسمیں ہیں ایک اشتہائے صادق ایک کاذب (۱)۔

تکسیر اعمال سے ممانعت

اسی طرح نیند کی بھی دو قسمیں ہیں ایک نوم صادق ایک کاذب۔ جو شخص رات بھر خرخر کرے اس کی نیند ذکر میں کاذب ہے اور جو رات کو جاگتا ہو اس کی نیند صادق ہے اس کو اس وقت سو رہنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار مسجد کے دو ستونوں کے درمیان میں رسی بندھی ہوئی دیکھی پوچھا یہ کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت زینب نے یہ رسی اس واسطے باندھ رکھی ہے کہ جب نیند آتی ہے یا عبادت میں کسل (۲) ہوتا ہے تو اس سے سہارا لے لیتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسی کو کاٹ ڈالا اور فرمایا علیکم من الاعمال بما تطیقون (۳) کہ کام میں اپنی طاقت کے موافق کرو طاقت سے زیادہ کام نہ کرو۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تکثیر اعمال سے نہیں بلکہ دراصل تقلیل اعمال سے ہے کیونکہ جب شخص طاقت کے موافق کام کرے گا وہ نباہ کر سکے گا اور جو طاقت سے زیادہ کام کرے گا وہ چند دن کے بعد کام سے معطل ہو جائے گا بس کثرت بالثناء سے ممانعت نہیں بلکہ کسرت بالسین سے ممانعت ہے کہ اتنا کام نہ کرو جس میں بدن ٹوٹنے لگے۔

محنت علم میں ضرورت اعتدال

اب میں مدرسین و متدرسین (۴) سے کہتا ہوں کہ محنت اتنی کرو اور اتنی محنت لو جس کا تحمل ہو سکے (۵) بعض مدرسین طلبہ کو بعضی کتابیں حفظ کراتے ہیں۔ یاد رکھو یہ محض فضول ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بس طالبان علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے

(۱) سچی اور چھوٹی خواہش (۲) سستی (۳) الصحیح المسلم، صلاۃ المسافرین ب ۳۰ رقم ۲۱۵، کنز العمال ۵۳۰۲
(۴) پڑھنے پڑھانے والوں سے (۵) جو قابل برداشت ہو۔

لیے ان پر دوام رکھے ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہوگی اور یہی تین باتیں اس کے واسطے کافی ہونگی۔ ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے بدون سمجھے آگے نہ چلے تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کرلیا کرے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کرکے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں کیونکہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ شوق باقی رکھ کر کام کیا کرو یعنی سارا شوق پورا کرکے کام سے نہ اٹھا کرو بلکہ ایسے حال میں اٹھ کھڑے ہو کہ کچھ حصہ شوق کا باقی ہو پھر فرمایا کہ تم نے چکی پھرائی ہے(۱)؟ میں نے کہا حضرت نہیں۔ فرمایا تم نے دنیا کو کیا خاک دیکھا۔ ہمارے اکابر کیسے زندہ دل تھے یوں چاہتے تھے کہ بچے کھیلنے کے زمانہ میں کھیلیں اور کام کے وقت اچھی طرح کام کریں۔ پھر خود ہی بتایا کہ چکی پر ڈورا لپیٹ کر اس کو پھراتے ہیں اور چکی پھراتے ہوئے سارا ڈور نہیں اتارا کرتے بلکہ تھوڑا سا ڈور چھوڑ دیتے ہیں تاکہ سہولت سے پھر لوٹ آئے اگر سارا ڈور اتر جائے تو دوبارہ چڑھانا پڑے گا اسی طرح سارا شوق ختم کرکے کتاب چھوڑو گے تو دوسرے دن از سر نو شوق پیدا کرنا پڑیگا۔ نہیں، اس لیے تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر کتاب چھوڑا کرو تاکہ اگلے دن کتاب پڑھنے کو خود جی چاہے(۲) اطباء بھی تو کہتے ہیں کھانا تھوڑی سی بھوک باقی رکھ کر چھوڑنا چاہیے تاکہ دوسرے وقت اشتہائے صادق(۳) ہو ورنہ مشورہ کے لیے کمیٹی کرنا پڑے گی اس وقت کھاؤں یا نہ کھاؤں، پھر یار دوست سوڈا واٹر اور نمک سلیمانی کی رائے دیں گے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ کبھی بند پڑ جائیگا تو حقنہ(۴) کرانا پڑے گا۔ دلی کے اطباء تو علم کم دیتے ہیں بہت ہی سخت ضرورت ہو تو عمل کراتے ہیں۔

نادر شاہ اور ایک طبیب کی حکایت

ہاں بعض شہر میں اس کا بہت رواج ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر اطباء عمل بتلاتے ہیں

(۱) بچوں کا ایک کھیل تھا جس میں پھرکی پر دھاگہ لپیٹ کر اس کو گھماتے تھے آج کل اس کی مثال بچوں کا کھیل یویو ہے اس میں بھی تو ہر دھاگہ اسی طرح لپیٹا جاتا ہے (۲) دل (۳) سچی خواہش ہو (۴) قبض ہوجائے گا تو انیما لینا پڑیگا۔

وہاں کے باشندوں کا یہ خیال ہے کہ جیسے حقہ ویسے ہی حقنہ (۱) دونوں سے معدے ہی کا علاج ہوتا ہے ادھر سے پی لیا تو کیا ہوا ادھر سے پی لیا تو کیا۔ ایک حکیم نے غضب کیا کہ نادرشاہ کے پیٹ میں درد ہوگیا تھا آپ نے اس کے لیے حقنہ تجویز کیا (۲)۔ سلاطین کے لیے یہ تجویز نہایت ہی خلاف تہذیب ہے نادرشاہ کو سنتے ہی غصہ آ گیا اور للکار کر پوچھا درکون تو یا درکون من (۳)۔ غریب کے منہ سے بدحواسی میں یہ نکل گیا کہ درکون من (۴)، نادرشاہ نے کہا بلے بلے اور اسی وقت حکم دیا کہ حکیم صاحب کے حقنہ کیا جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ حکیم کے جو حقنہ کیا گیا تو نادرشاہ کے پیٹ کا درد اچھا ہوگیا۔ اب تو وہ ان کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب پیٹ میں درد ہوتا حکیم صاحب کے حقنہ کرایا جاتا آخر کہاں تک غریب عمل لیتے لیتے تھک گیا تو ایک دن نادرشاہ سے عرض کیا کہ حضور میں بددل ہو چکا ہوں اور بددل طبیب کا علاج کرانا مناسب ہے اب مجھے وطن جانے کی اجازت دی جائے نادرشاہ ہنسا اور کہا اچھا جاؤ خبردار کسی بادشاہ کے لیے ایسا علاج تجویز نہ کرنا، اس کے بعد خلعت وانعام دے کر رخصت کیا۔

ہر چیز کی حد

ہر چیز کے لیے ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہیں اور بعض اعمال میں تجاوز سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ حد سے قریب بھی نہ ہو اسی لیے حق تعالیٰ نے کہیں تو فرمایا ہے۔ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (یہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو) اور کہیں فرمایا ہے تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (یہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود ہیں پس ان کے پاس بھی نہ پھٹکو) اور گو اصل مقصود نہی عن الحدود ہی ہے مگر حدیث میں ہے لكل ملك حمى وان حمى الله محارمه ومن يرع حول الحمى يوشك ان يقع فيه (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰:۴۰۵) ہر بادشاہ کے لیے ایک خاص چراگاہ

(۱) بعض لوگ حقہ پینے اور انیما کرانے کو معدہ کا علاج بتاتے ہیں (۲) پاخانے کے راستہ صابن کا پانی معدہ میں پہنچایا جاتا ہے جس سے قبض کھل جاتا ہے اور اجابت ہوجاتی ہے (۳) تیری مقعد میں انیما دیا جائے یا میری مقعد میں (۴) بدحواس ہوکر کہا میری مقعد میں۔

محدود ہوتی ہے۔ اور اللہ کی ایسی چراگاہ اس کے حرام کردہ اعمال ہیں اور جو شخص باڑہ کے ارد گرد چرائے گا وہ کسی دن باڑہ کے اندر بھی پہنچ جائے گا۔ اس لیے تجاوز عن الحدود سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ حدود کے قریب ہی نہ جائے۔

حمد الٰہی کے حدود و قیود

اس کے بعد ارشاد ہے الْعَابِدُونَ کہ وہ ایسے مسلمان ہیں جو توبہ کے بعد عبادت کرنے والے بھی ہیں یہ نہیں کہ توبہ ہی پر اکتفا کریں اور عبادت ایک عام لفظ ہے جو نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ سب کو شامل ہے اور میں عبادت کے حدود و قیود کو اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ہے الْحَامِدُونَ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تعظیم وتفہیم شان سراپا محمود ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حمد کیسی اچھی چیز ہے مگر اس میں بھی حدود و قیود ہیں چنانچہ حمد الٰہی کا ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی نام اپنی طرف سے نہ گھڑے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جو سماع(۱) پر موقوف ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کو شافی کہنا جائز ہے طبیب کہنا جائز نہیں کیونکہ گو شافی اور طبیب بھی معنی قرب ہے مگر ایک فرق بھی ہے وہ یہ کہ طب بمعنی پیشہ طب بھی آتا ہے جس سے خدا تعالیٰ مبرا ہیں لہٰذا ابہام کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ممنوع ہے اور اسی لیے ادعیہ ماثورہ کے ساتھ دعا کرنا افضل ہے۔

دعا کے حدود و قیود

دعا کیسی اچھی چیز ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مغز بتایا ہے مگر اس کے لیے بھی حدود و قیود ہیں کہ دعا میں فضول قیدیں نہ بڑھائے جیسے ایک صحابی زادہ نے دعا کی تھی۔ اللھم انی اسئلك القصر الابیض عن یمین الجنة کہ اے اللہ میں جنت کے دائیں جانب والا قصر ابیض (۲) آپ سے مانگتا ہوں، ان کے باپ نے اس پر ٹوکا کہ یہ قید کیسی ہے خدا سے جنت الفردوس مانگو یہ کیا کہ دائیں جانب کا حصہ ہو اور سفید محل ہو۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے نام سب اللہ کی طرف سے وحی کردہ ہیں جنکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا ضروری ہے (۲) سفید محل

یہ تجاوز عن الحدود(۱) ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں حد سے تجاوز کو پسند نہیں فرماتے اسی طرح یہ بھی دعا کا ادب ہے کہ بے تمیزی کی دعا نہ کرے اسی لیے میں نے مناجات مقبول اور بعض بزرگان سلف نے حزب اعظم وغیرہ وتالیف کی ہے جس میں ادعیہ ماثورہ کو جمع کیا گیا ہے تاکہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر دعا نہ کیا کریں۔ کیونکہ اختراعی (۲) دعا میں بے ادبی کا اندیشہ ہے کیونکہ جاہل آدمی کا ادب ہی کیا ممکن ہے وہ اپنی جہالت سے بے ادبی کو ادب سمجھ جائے، جاہلوں کا ادب تو ایسا ہوتا ہے جیسے ایک گنوار کا اپنے ربیب کے ساتھ مقدمہ تھا، ڈپٹی نے اس سے پوچھا کہ یہ لڑکا تیرا کیا لگتا ہے کہا یہ میرا کڈھیلڑا ہے ڈپٹی صاحب نے یہ وحشی لغت کیوں سنا تھا پوچھا کڈھیلڑا کیا بلا ہے گنوار نے کہا تُو نہیں جانتا لے میں تجھے بتاؤں کڈھیلڑا اسے کہیں جیسا تیرا باپو مرجادے اور تیری ماں مجھے کرلے اور تُو اس کی گیلوں آئے تو تُو میرا کڈھیلڑا ہوگا، اب بھی سمجھا! ڈپٹی نے کہا کہ ایسا سمجھا کہ عمر بھر نہ بھولوں گا۔ مولانا جاہلوں کے ادب کی مثال دیتے ہیں۔

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ایں نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست(۳)

شبان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت

اس کے بعد شباں موسیٰ علیہ السلام کی حکایت لکھی ہے کہ ایک چرواہا اللہ تعالیٰ کو خطاب کرکے کہہ رہا تھا کہ اے میرے خدا تُو کہاں ہے اگر تم مجھے مل جائے تو میں تیری ٹانگیں دباؤں سر میں تیل کنگھی کروں اور بکریوں کا دودھ پلاؤں۔

زینی نمط بیہودہ میگفت آں شباں گفت موسیٰ یا کیسنت اے فلاں(۴)
گفت با آن کہ مارا آفرید ایں زمان وچرغ از وآمدید(۵)
گفت موسیٰ ہائے خیرہ سرشدی خود مسلماں ناشدہ کافر شدی(۶)

(۱) یہ حد سے نکلنا (۲) اپنی من گھڑت دعا (۳) ''بادشاہ کو اگر کوئی جولاہا کہے تو یہ اس کی تعریف نہیں ہے مگر وہ اس کے مرتبہ سے واقف نہیں ہے'' (۴) ''اس قسم کی باتیں کررہا تھا کہ موسیٰ کا اس پر گزر ہوا پوچھا ارے تُو یہ کس کو کہہ رہا ہے'' (۵) ''اس نے کہا میں اس کو کہہ رہا ہوں جس نے ہمیں پیدا کیا آسمان اور زمین پیدا کئے'' (۶) ''موسیٰ نے کہا ارے غضب! تو تُو کافر ہوگیا تیرا خدا تو ان باتوں سے پاک ہے۔

یہ سن کر چرواہا افسردہ خاطر ہوکر خاموش ہوگیا فوراً موسیٰ پر وحی نازل ہوئی

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندہ مارا چرا کردی جدا (۱)
تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی
موسیا آدب داناں دیگرند سوختہ جاں درداناں دیگر (۲)

یہ شخص مجذوب تھا اس لیے معذور تھا مگر کامل نہ تھا ناقص تھا۔ مجاذیب کی شان چھوٹے بچوں جیسی ہے کہ چھوٹا بچہ باپ کے اوپر ہگ بھی دیتا ہے موت بھی دیتا ہے (۳) اور باپ کو دھمکا بھی لیتا ہے کبھی کبھی ڈاڑھی بھی کھینچ لیتا ہے اس کی یہ حرکتیں ناگوار نہیں ہوتیں مگر اس سے واقع میں یہ افعال اچھے نہیں ہوجاتے واقع میں یہ افعال برے ہی ہیں۔ چنانچہ بڑا لڑکا تو یہ حرکتیں کرکے دیکھے جو گردن نہ ماری جائے۔ اس کے بعد ہے السَّائِحِونَ اس کی دو تفسیریں ہیں ایک ساعون یعنی روزہ رکھنے والے اس کے لیے بھی حدود و قیود کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ایک تفسیر ہے المھاجرون یعنی ہجرت کرنے والے اس کے لیے بھی حدود و قیود ہیں۔ سب سے اول تو ہجرت کے لیے اخلاص نیت شرط ہے ورنہ محض نام کے لیے ہجرت کرنا اس کا مصداق ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم اہم ندادند تو بروں در چہ کردی کہ دروں خانہ آئی (۴)
بزمین چو سجدہ کردم زیر زمین ندا برآمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی (۵)

اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ

اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کو ایک دوسرے شعر میں بتاتے ہیں۔

صنمارہ قلندر سزوار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی (۶)

(۱) حضرت موسیٰ کے پاس وحی آئی کہ ہمارے بندے کو ہم سے کیوں جدا کردیا (۲) ''اے موسیٰ جاننے والوں کے اور آداب ہیں اور سوختہ جاناں انجان لوگوں کے اور آداب ہیں'' (۳) پاخانہ پیشاب بھی کردیتا ہے (۴) ''جب میں خانہ کعبہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو رستہ نہ دیا کہ تیرے جرم نے کیا کیا ہے جو اندر آنا چاہتا ہے'' (۵) ''زمین پر جب میں نے سجدہ کیا تو آواز آئی کہ تو نے اپنے ریائی سجدہ سے مجھے خراب کردیا (۶) ''اے محبوب! مجھے تو قلندری کا راستہ پسند ہے رسم و رواج کی پابندی کا راستہ مجھے دور معلوم ہوتا ہے''۔

کہ اس کا طریق عشق ومحبت ہے۔ عشق ومحبت وہ چیز ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا پھونک کر رکھ دیتی ہے، رہ قلندر سے مراد یہی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آں شعلہ ست کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت (۱)

تیغ لادر قتل غیر حق براند درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند (۲)

ماند الااللہ و باقی جملہ رفت مرحبا عشق شرکت سوز وزفت (۳)

عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل وقول غیر کے لیے نہیں ہوتا وہ جو کچھ کرتا ہے محبوب کے لیے کرتا ہے إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لاَ شَرِيكَ لَهُ (۴) میری نماز میری قربانی میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو پروردگار ہے کل جہانوں کا جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس طریق سے اخلاص بہت جلد حاصل ہوتا ہے پھر محبت کے بعد عادۃً کچھ خطرہ نہیں رہتا کیونکہ جب بندہ کو خدا سے محبت ہوتی ہے تو ان کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے بلکہ وہ اپنا عشق اسی کو دیتے ہیں جس سے پہلے ان کو محبت ہوتی ہے۔

عشق اول دردل معشوق پیدا می شود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر عاشق کے عشق کی اور شان ہے یہ تو دنیا میں غل مچادیتا ہے اور محبوب کی محبت کی دوسری شان ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

محبوب کی محبت کی حالت

عشق معشوقاں نہاں ست وستیر عشق عاشق بادوصد طبل ونفیر (۵)

(اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی گویا ذبح کردیا گیا تھا) جب یہ محبوب بھی ہے پھر اس

(۱) ''عشق وہ شعلہ ہے جب وہ روشن ہوجاتا ہے تو محبوب کے علاوہ سب کو فنا کردیتا ہے (۲) ''لا کی تلوار اپنی غرض فاسد پر چلاؤ اس کے بعد نتیجہ دیکھو کہ لا کے بعد کیا رہ گیا ہے'' (۳) ''سوائے الا اللہ کے باقی سب جل گیا۔ اے عشق مبارک ہو سب شریک کو جلادیا'' (۴) سورۃ الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳ (۵) ''معشوق کا عشق پوشیدہ اور ستیر ہے اور عاشقوں کا عشق دوصد طبل ونفیر کے ساتھ''۔

کو عادۃً کیا خطرہ کیونکہ اسباب خطرہ کے ساتھ تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

اور یہ حالت ہوتی ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

نجدیوں کی ایک کمی

اس لیے عراقی راہ عشق کی تمنا کرتے ہیں کہ اس طریق سے اخلاص بہت دیر میں حاصل ہوتا ہے۔ رہ پارسائی سے مراد زہد خشک ہے جیسے نجدی، میں تو کہا کرتا ہوں کہ نجدیوں میں اتنی ہی کمی ہے کہ وہ وجدی نہیں۔ دوسری شرط ہجرت کے لیے یہ ہے کہ ہجرت میں ثواب زیادہ ہو اور اگر ہجرت نہ کرنے میں ثواب زیادہ ہو تو ہجرت افضل نہ ہوگی۔ اسی لیے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہندوستان سے ہجرت کرنے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے کہ تم ہندوستان میں زیادہ کام کررہے ہو تمہارا وہیں رہنا بہتر ہے اگر علماء وہاں سے ہجرت کریں گے تو نہ معلوم ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوجائیگا ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسعود بکؒ فرماتے ہیں:

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید(۳)

امر بالمعروف کے حدود و قیود

اس کے بعد ہے الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ کہ وہ امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں۔ یہ تو سر سے پیر تک حدود وضوابط سے نہایت مقید ہے۔ نصاب الاحتساب اس کے جاننے کے لیے کافی ہے۔ جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں کیونکہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرے گا جیسے مکہ میں ایک

(۱) ''دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو آپ کی خنجر آزمائی کے لیے دوستوں کا سر سلامت رہے'' (۲) ''تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے دل اپنے یار پر قربان'' (۳) ''اے قوم جو حج کو گئی ہے کہاں ہے؟ محبوب حقیقی تو یہاں ہے واپس آئے واپس آئے''۔

جاہل نے مجھے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ میں نے کہا تم پاجامہ کی جگہ لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ اس پر تو بڑے چپ ہوئے سوچ کر کہنے لگا کہ مجھے عذر ہے میں بوڑھا ہوں لنگی میری جسم پر ٹھہرتی نہیں ڈھلک جاتی ہے۔ میں نے کہا میں جواں ہوں عمامہ سے مجھے گرمی لگتی ہے۔ اس جواب پر تو بڑے جھلائے کہنے لگے خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔ بھلا ایسے جاہلوں کو جو امر بالمعروف سے پہلے مخاطب کی حالت بھی دریافت نہ کریں اور ایک سنت زائد کے ساتھ اس سختی کے ساتھ امر بالمعروف کریں امر بالمعروف کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اور میں نے جو اس کو اس طرح جواب دیا اس کا منشاء اس کی جہالت ہی تھی ورنہ میری عادت اس طرح جواب وسوال کی نہیں ہے دوسرے اس وقت میری بھی جوانی تھی مجھے اس کی سختی پر غصہ آ گیا۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اور مولانا حسامی محتسب کی حکایت

حضرات سلف کا طریقہ امر بالمعروف کا یہ تھا کہ شیخ عبدالقدوس کے زمانہ میں مولانا حسام الدین محتسب تھے ایک بار وہ گنگوہ آئے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ شیخ صاحب سماع(۱) ہیں تو انہوں نے شیخ کا کتنا ادب کیا کہ اول ان کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ صاحب سماع ہیں۔ اس میں بھی حدود شرعیہ کی رعایت کی کہ محض روایات کی بنا پر جرم نہیں اور یہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کر دیجئے۔ میں آپ کو تبلیغ کرتا ہوں۔ یہ تو ان کا ادب تھا۔ اب شیخ کا ادب دیکھئے کہ باوجود یہ کہ شیخ خود عالم ہیں مگر انہوں نے اپنے فعل کی یہ تاویل نہیں کی کہ میں مغلوب ہوں، یا شرائط کی رعایت سے سنتا ہوں بلکہ یہ جواب دیا کہ حکم شریعت سر آنکھوں پر میں آج سے توبہ کرتا ہوں پھر نہ سنوں گا۔ چنانچہ سماع موقوف ہوگیا اور مجلس سرد پڑ گئی(۲)۔ پھر چٹخارہ والوں نے جن کو سماع میں ہی لطف آتا تھا اور کسی چیز میں مزہ نہ آتا تھا۔ ایک پسنہاری(۳) کو جو شیخ کے مکان کے پاس رہتی

(۱) قوالی سنتے ہیں (۲) ٹھنڈی ہوگئی (۳) آٹا پیسنے والی عورت

تھی ایک دوہا سکھادیا کہ چکی پیستے ہوئے آج یہ دویا پڑھ لیجئے اس نے وہ دوہا پڑھا اور شیخ پر وجد طاری ہوا کیونکہ ان کا حال کسی قوال یا باجہ پر تھوڑا موقوف تھا۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند برآواز دولاب مستی کنند(۱)

ان کے لیے چکی کی آواز بھی سماع کا کام دیتی ہے۔ یہ نہیں جیسا کہ آج کل کے صاحب سماع ہیں کہ ان کو ستار کی تن تن ہی پر حال طاری ہوتا ہے اس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ جب شیخ پر وجد طاری ہوا تو اس کے بجھانے کی صورت عادیہ تو یہی تھی کہ مجلس سماع منعقد ہوتی اور چٹخارہ والوں کا مدعا بھی یہی ہے مگر شیخ نے ادب کیا کہ مجلس سماع منعقد کرنے سے پہلے مولانا حسام الدین کو خط لکھا کہ ایک شوریدہ حال کے جان وتن میں آگ لگ رہی ہے اگر تم اس کو بجھا سکو تو بجھادو۔ مولانا حسام الدین اس وقت درہ لے کر کھڑے ہوئے کہ توبہ کے بعد پھر وہی حرکت اب تو اقراری جرم اور آپ کے ساتھ پولیس بھی چلی تو محتسب کے ساتھ شاہی حکم سے رہا کرتی تھی تا کہ وہ احکام شرعیہ کو قوت کے ساتھ جاری کرسکیں۔ چنانچہ آپ درہ لے کر فوج کے ساتھ روانہ ہوئے مگر جس وقت خانقاہ میں قدم رکھا ہے پیر کانپنے لگے، بدن پر رعشہ پڑ گیا اور شیخ کی صورت دیکھ کر یہ خود بھی مغلوب الحال ہو گئے تو آپ نے اسی وقت فوج کو اپنے منصب کے کاغذات حوالہ کر کے واپس کر دیا کہ بادشاہ سے عرض کر دیں کہ میں اب اس منصب کا کام نہیں کرسکتا اور اس کے بعد جا کر شیخ کے قدموں پر گر پڑے اور بیعت کی درخواست کی۔

حکایت حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ

ایک دوسری حکایت میں میں نے نصاب الاحتساب کے مصنف قاضی ضیاء الدین سنامی کے ایک بزرگ سے سنی ہے جو الہ آباد میں مجھ سے ملے ہیں وہ اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے نقل کرتے تھے اور وہ ایسے بزرگ تھے جن سے حضرت خضر علیہ السلام ملا کرتے تھے ان کے یہاں ایک کتاب پر حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ

(۱) جو لوگ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کرے ہیں وہ چکی کی آواز پر بھی مستی کرتے ہیں۔

کی ''ف'' لکھی ہوئی ہے شاید انہوں نے حاشیہ کے طور پر کوئی فائدہ لکھنا چاہا تھا۔ مگر ف لکھ کر آگے نہیں لکھ سکے، وہ کتاب تبرک کے طور پر ان کے کتاب خانہ میں رکھی ہوئی ہے۔ ان واقعات پر جزم تو نہیں کیا جاسکتا مگر تکذیب کی بھی کوئی حد نہیں (۱) کہ میرے نزدیک راوی غیر معتبر نہیں ہے تو ان بزرگ سے کسی نے سماع کی بابت سوال کیا تھا کہ اس میں آپ کا فیصلہ کیا ہے یہ جائز ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ عزیز من! تم نے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا فیصلہ کرنا ہمارا تمہارا کام نہیں بس میں بجائے جواب کے تم کو ایک حکایت سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ قاضی ضیاء الدین سنامی حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدینؒ کے ہم عصر ہیں، سلطان جی صاحب سمع تھے سنامی ان کو سماع سے منع کرتے تھے۔ ایک بار قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ سلطان جی کے یہاں سماع ہو رہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے، یہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کی جگہ نہ ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دو تاکہ مجمع منتشر ہوجائے فوج نے خیمہ کی طنابیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا پر معلق رہا گرا نہیں، قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے فرمایا کہ اس سے دھوکہ نہ کھانا بدعتی سے خوارق کا صدور ہوسکتا ہے اور یہ موجب قبول نہیں اس وقت تو وہ واپس ہوگئے۔ دوسرے وقت حضرت سلطان جی کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کروگے۔ سلطان جی نے فرمایا اچھا اگر ہم حضور ﷺ سے پچھوادیں جب تو تم منع نہ کروگے، کہا اچھا پچھوادو۔ قاضی صاحب کو سلطان جی کی بزرگی کا علم تھا جانتے تھے کہ حضور ﷺ کی زیارت کراسکتے ہیں اس لیے سوچا کہ اس دولت کو کیوں چھوڑوں۔ چنانچہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو ان کو حضور ﷺ کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور ﷺ ان سے فرمارہے ہیں کہ فقیر کو تنگ کرتے ہو! قاضی سنامی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں

(۱) ان واقعات کو یقینی تو نہیں سمجھا جاسکتا لیکن جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا۔

کس حال میں ہوں جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں اور صحیح طور پر سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں یا مدہوش ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات حضرات صحابہ نے بحالت یقظہ (۱) آپ سے سن کر بیان فرماتے ہیں وہ اس ارشاد سے اولیٰ واقدم ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور یہ حالت ختم ہوگئی تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا قاضی صاحب نے کہا اور دیکھا ہم نے کیا عرض کیا۔ پھر سلطان جی نے قاضی صاحب کے سامنے ہی منشد کو یعنی قوال کو اشارہ کیا اس نے سماع شروع کیا۔ قاضی صاحب بھی بیٹھے رہے کہ اس بدعت کو یہیں بیٹھ کر توڑوں گا۔ قوال نے کوئی شعر پڑھا سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہوگئے۔ قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلا دیا، تھوڑی دیر میں غلبہ وجد سے سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اور قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، تیسری دفعہ سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اس دفعہ قاضی صاحب ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ اس پر قاضی صاحب کی جماعت کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا۔ سب کا خیال ہوا کہ بس اب آئندہ قاضی صاحب سلطان جی کو سماع سے منع نہ کریں گے مگر جب مجلس سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کر اٹھے اچھا میں پھر کبھی آؤں گا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا۔ واپسی کے وقت قاضی صاحب کی جماعت نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی کہ تیسری دفعہ میں آپ سلطان جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ فرمایا بات یہ ہے کہ سلطان جی کو پہلی بار جو وجد ہوا تو ان کی روح آسمان اول تک پہنچی یہاں تک میری بھی رسائی تھی میں ان کو وہاں سے واپس لے آیا اور بٹھا دیا۔ دوسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی یہاں تک بھی میری رسائی تھی میں وہاں سے بھی ان کو واپس لے آیا۔ تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں کہ ملائکہ عرش نے مجھے روک دیا کہ عرش کے اوپر نظام الدین ہی جا سکتے ہیں تم نہیں جا سکتے۔

(۱) بیداری کی حالت میں سنکر۔

اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی اور اس وقت مجھے عرش کی تجلیاں تک نظر آئیں میں ان تجلیات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا تھا، اس بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی دست بستہ ہوا تھا وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی اس کو منع کروں گا۔ وہ بھی بڑے پکے تھے کہ سلطان جی کے مقامات سے بھی واقف تھے اور خود بھی صاحب مقامات تھے اور جانتے تھے کہ سلطان جی کا مقام مجھ سے اعلیٰ وارفع ہے مگر بایں ہمہ بدعت ہی سمجھتے ہیں۔ یہ بڑا کمال ہے ورنہ ناقص تو ایسے وقت دھوکہ میں آجائے اور بدعت کے بدعت ہونے میں تامل کرنے لگے مگر قاضی صاحب کو اس پر بھی تامل نہیں ہوا یہ ان کے کمال کی دلیل تھی اور واقعی ایسے ہی صاحب کمال کو سلطان جی جیسے پر احتساب کا حق بھی تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قاضی صاحب کا وقت وصال سلطان جی سے پہلے آیا، سلطان جی ان کی عیادت کو گئے اور دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ سلطان جی سے کہہ دو کہ یہ وقت وصال حق کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا، سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کر دو کہ وہ بدعتی ایسا بے ادب نہیں کہ بارگاہ سنت میں بدعت سے ملوث ہو کر آتا، وہ حضرت والا کے مذاق سے واقف ہے اور آپ کے مذاق کی پوری رعایت کر کے حاضر ہوا ہے، میں اس بدعت سے توبہ کر کے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر مجمع گویا ذبح ہو گیا تھا یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت طاری ہوگئی اور آبدیدہ ہو کر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دے دیا کہ سلطان جی سے کہو کہ اس عمامہ پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائے۔ بس ان میں یہی ایک کسر تھی جو جاتی رہی باقی ان کے مقامات عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں۔

گر برسرو چشم من نشیی نازت بکشم کہ نازنینی (۱)

خادم قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے عمامہ کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامہ شریعت ہے میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا چنانچہ

(۱) ''اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا ناز اٹھاؤں اس سے کہ تو نازنیں ہے''

تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند(۱)

حضرت اب میرا آخری وقت ہے اللہ میرے اوپر توجہ فرمائے، چنانچہ حضرت سلطان جی نے توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی قاضی صاحب کی روح نہایت فرح وشادمانی کے ساتھ عالم بالا کو پرواز ہوگئی۔ حضرت قاضی صاحب کا وصال ہوگیا تو سلطان جی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ افسوس شریعت کا ستون گر گیا۔ اس حکایت کو ذکر کر کے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ بھائی نہ میں نظام الدین ہوں جو اجازت دوں نہ ضیاء الدین ہوں جو منع کروں۔ یہ حکایت میں نے اخبار الاخیار میں بھی دیکھی ہے مگر مختصر۔

حضرات سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف

حضرت یہ تھا ہمارے سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف میں کہ ایک دوسرے کا ادب بھی کرتے تھے اور نصیحت بھی کرتے تھے۔ اب میں حضرت قاضی سنامی کے اس جواب پر کہ میں تجلیات آلہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا تھا سلطان جی کے سامنے میں نے ہاتھ نہیں باندھے ایک علمی فائدہ متفرع کرتا ہوں۔

صلوٰۃ الکسوف (۲) میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب

وہ یہ کہ صلوۃ الکسوف میں امام ابوحنیفہؒ ایک ہی رکوع کے قائل ہیں جیسا کہ سب نمازوں میں ایک ہی رکوع معروف ہے اور شافعیہ دو رکوع کے قائل ہیں۔ کیونکہ بعض روایات صحیح میں یہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف میں دو رکوع کئے تھے حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف کے بارے میں فرمایا ہے صَلُّوا كَأَحْدَثِ صَلَوٰةٍ صَلَّيْتُمُوْهَا کہ اس سے پہلے جو نماز سب سے قریب تم پر پڑھی ہے اسی طرح دو رکعتیں پڑھو اور نماز کسوف سے قریب تر نماز فجر ہے اور اس میں ایک ہی

(۱) ''وہ گوشہ جو تیری خاک ہے مٹی کو کیمیا بناتے ہیں کیا وہاں ہماری جانب رسائی ہے'' (۲) سورج گرہن کے وقت پڑھی جانے والی نماز۔

رکوع ہے تو اس جیسی نماز بھی ایک ہی رکوع سے ہوگی اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ (رواہ النسائی والحاکم وصححہ علی شرطھا)

اور قولی ہے، اور فعلی حدیث سے قولی مقدم ہے۔ یہ تو حنفیہ کی دلیل تھی مگر چونکہ حدیث فعلی بھی صحیح ہے اس لیے اس میں تاویل ضروری ہے تو علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اس نماز میں رکوع تو ایک ہی کیا تھا مگر طویل بہت تھا تو ممکن ہے بعض لوگوں کو طول کی وجہ سے یہ شبہ ہوا کہ شاید حضور کھڑے ہوگئے ہوں اور ہم نے سمع اللہ لمن حمدہ کی آواز نہ سنی ہو اس لیے وہ کھڑے ہوگئے انکو دیکھ کر پچھلی صف والے بھی کھڑے ہوگئے، پھر اگلوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ابھی تک رکوع ہی میں ہیں تو وہ پھر رکوع میں چلے گئے پچھلی صف والے بھی ان کو دیکھ کر رکوع میں چلے گئے اب اگلوں کو تو اپنے کھڑے ہونے اور دوبارہ رکوع میں جانے کی حقیقت معلوم تھی مگر پچھلے یہ سمجھے کہ اگلوں نے حضور ﷺ کو دیکھ کر دو رکوع کئے ہیں اور اصل حضور ﷺ ہی نے دو رکوع کئے ہیں۔ یہ تاویل اس معنی کو کافی ہے کہ مانع کا احتمال کافی ہے مگر اس میں یہ کلام ہے کہ بعض روایات سے رکوعین کے درمیان قیام طویل ثابت ہے اور اس شبہ کی حالت میں قیام طویل نہیں ہوسکتا۔

تجلیات خاصہ کا حق

مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو کہ عارف کامل تھے حدیث فعلی کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز میں جو قیام ورکوع وسجدہ ہے یہ تجلیات خاصہ ہے اور حضور ﷺ کے اوپر اس نماز میں تجلیات کا تعاقب تھا(۱) جس وقت آپ رکوع میں گئے کچھ دیر کے بعد آپ پر وہ تجلی منکشف ہوئی جس کا حق قیام تھا، اس لیے آپ کھڑے ہوگئے، پھر دوسری تجلی منکشف ہوئی جس کا حق رکوع تھا اس لیے آپ پھر رکوع میں چلے گئے یہ وجہ تھی آپ کے بار بار قیام ورکوع کی مگر یہ امر آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس کا منشا انکشاف خاص (۲) تھا اور ہم لوگوں کو تجلی کی خبر تو ہوتی نہیں اس لیے ہم کو قاعدہ ہی کا اتباع کرنا

(۱) اللہ کی تجلیات یکے بعد دیگرے ظاہر ہورہی تھیں (۲) یہ طریقہ آپ کے ساتھ خاص تھا کیونکہ آپ پر تجلیات منکشف ہورہی تھیں۔

چاہیے۔ خلاف ضابطہ دو رکوع اور دو قیام نہ کرنا چاہیے اس کی ایسی مثال ہے کہ دربار شاہی میں جاکر سب لوگ یک دفعہ آداب بجالاتے ہیں اس کے بعد ہر شخص اپنے اپنے درجہ بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن وزیر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک بار آداب بجالاکر کھڑا ہوجاتا ہے۔ پھر بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ دوبارہ آداب بجالاتا ہے۔ پھر اس نے بیٹھنے کا حکم دیا تو تیسری بار آداب بجالاتا ہے پھر کسی بات پر بادشاہ نے تبسم کیا تو چوتھی بار آداب بجالاتا ہے پھر کسی بات پر وزیر کی تعریف کی تو پانچویں بار آداب بجالاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وزیر کی ان حرکات کا منشا خاص تجلیات ہیں جو بادشاہ کی طرف سے اس پر ہورہی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جس کو ان تجلیات کی اور ان کے مقتضیات کی خبر نہیں محض وزیر کو دیکھ کر بجائے ایک دفعہ کے پانچ دفعہ آداب بجالایا کرے تو وہ معتوب ہوگا(۱) کیونکہ اس کی یہ حرکات بے موقع ہیں اور وزیر کی حرکات باموقع ہیں کیونکہ وہ تجلیات کو دیکھ کر انکا حق ادا کررہا ہے۔ دوسروں کو اس کا اتباع اس امر میں نہ کرنا چاہیے بلکہ ان کو ضابطہ پر عمل کرنا چاہیے جو ان کو بتلادیا گیا ہے میرے خیال میں حدیث فعلی کی یہ توجیہ سب سے بہتر ہے۔

دین میں حدود الٰہیہ

اس کے بعد ہے وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰہِ کہ وہ مسلمان ایسے ہیں جو حدود الٰہیہ کی حفاظت کرتے ہیں یہ وہی جزو ہے جس کا بیان میں اس وقت کرنا چاہتا ہوں۔ سو میں نے بتادیا کہ دین میں حفظ حدود کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔ اعمال ظاہرہ میں حفظ حدود کا اہتمام بیان کرچکا ہوں اسی کا تتمہ ہے۔ انفاق(۲) میں اعتدال جو اس آیت میں مذکور ہے لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا(۳) نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور اس کے درمیان ایک سیدھی گزران ہے۔

(۱) اس پر بادشاہ ناراض ہوگا (۲) خرچ کرنے میں اعتدال (۳) سورل الفرقان: ۶۷

اعمال باطنہ کے حدود

اب سنئے کہ اعمال باطنہ میں بھی حدود ہیں۔ چنانچہ خوف میں بھی ایک حد ہے چنانچہ الحمدللہ ایک حدیث سے میں اس کو سمجھا ہوں۔ حدیث میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے اللھم انی اسئلك من خشیتك ماتحول به بینی وبین معاصیك (۱)

معلوم ہوا کہ زیادہ خوف مطلوب نہیں۔ ورنہ وہ حال ہوگا جو ایک وکیل صاحب کا حال ہوا تھا جو میرے ہم نام تھے صرف اتنا فرق تھا کہ ان کے نام میں علی نہ تھا انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تو اس کو دیکھ کر ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ یاس (۲) کے قریب ہوگئے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے جب ہر حالت میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے پھر عمل سے کیا نفع؟ میں نے کہا کہ آپ کو احیاء العلوم کی کتاب الخوف دیکھنا جائز نہیں آپ کو اس کا باب الرجاء دیکھنا چاہیے اور مشکوۃ وغیرہ میں احادیث رجاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت امام غزالی پر خوف کا بہت غلبہ ہے اس لیے کتاب الخوف میں ان پر یہ حال غالب ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ اس باب کے مطالعہ کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ امام غزالی پر خوف کا غلبہ ایسا رہا کہ دس برس تک اس کی وجہ سے قبض میں مبتلا رہے۔ اور صحرا اقدس میں پھرتے رہے۔ معتقدین نے ایک طبیب نصرانی کو جسے ڈاکٹر کہنا چاہیے آپ کا قارورہ (۳) دکھلایا اس نے تشخیص میں کمال کیا کہ قارورہ دیکھ کر کہا کہ صاحب قارورہ کو کوئی ظاہری مرض نہیں ہے اس پر خالق کا خوف غالب ہے اس کا علاج خدا ہی کے پاس ہے وہ وکیل صاحب بھی مغلوب الحال تھے اس لیے کتاب الخوف کو دیکھ کر یہ خیال ہوگیا کہ عمل سے کیا نفع اگر صاحب مقام ہوتے تو وہ بات کہتے جو۔

مذاق عاشق

امام سعدیؒ نے ایک حکایت میں ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے۔

(۱) ''اے اللہ میں آپ سے آپ کی خشیت کا وہ درجہ مانگتا ہوں جس سے میں معاصی سے بچ جاؤں موارد الظمآن للہیثمی بلفظ آخر ۵۰۹ (۲) مایوسی طاری ہوگئی (۳) پیشاب دیکھ کر

توانی ازاں دل پرداختن کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن(۱)

ان کو ایک رات غیب سے آواز آئی تھی کہ جو چاہے کر یہاں کچھ قبول نہیں اور ایسے زور سے آواز آئی کہ ایک مرید نے بھی سن لیا مگر وہ بزرگ بدستور اپنا معمول پورا کرنے چلے اگلے دن پھر لوٹا لیکر تہجد کو اٹھے مرید نے کہا کہ ایسی بھی کیا بے غیرتی ہے جب وہ کچھ نہیں پوچھتے تو اس محنت سے کیا نفع؟ شیخ نے جواب دیا کہ بیٹا یہ تو صحیح کہ وہ نہیں پوچھتے مگر تم ہی یہ بتلاؤ کہ میں اور کہاں جاؤں، کیا اور کوئی دروازہ ہے جسے خدا کے دروازہ کو چھوڑ کر اختیار کرلوں اور جب اور کوئی دروازہ نہیں تو پھر چاہیے وہ ماریں یا چھوڑیں میں تو انہی کو لپٹا رہوں گا اور یہ کہا ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۲)

توانی ازاں دل پرداختن کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن(۳)

اس پر دوبارہ آواز آئی۔ اس سے دل خالی کرسکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتے۔

قبولت گرچہ ہنر نیستت کہ جز ما پناہ دگر نیستت(۴)

اس میں بھی ایک چرکہ لگادیا کہ گو کسی قابل تو نہیں ہو مگر رحم کرکے قبول کئے لیتے ہیں۔ حضرت! عاشق کا مذاق یہی ہوتا ہے کہ اگر اس کو یقین بھی ہوجائے کہ جہنم میں جاؤں گا جب بھی عمل سے باز نہیں آتا اور برابر طلب میں بڑھتا رہتا ہے ایک مرید نے شیخ کو لکھا کہ ذکر کے وقت روزانہ یہ آواز آتی ہے کہ تو کافر ہوکر مریگا۔ شیخ نے لکھا کہ یہ محبت ہے کچھ خطرہ نہ کرو وہ اپنے چاہنے والوں کو یونہی تنگ کیا کرتے ہیں۔

حکایت حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے اپنے ایک مرید سے جو سفر حج کو جارہا تھا فرمایا کہ

(۱) ''اس سے دل خالی کرسکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتے'' (۲) ''اگر آپ زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں تو میں آپ پر قربان ہوں جو بھی آپ کریں میں آپ سے راضی ہوں'' (۳) ''اس سے دل خالی کرسکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتے'' (۴) ''اگرچہ تمہاری عبادت تو کسی ڈھنگ کی نہیں لیکن خیر جبکہ ہمارے سوا کوئی دوسرا نہیں''

روضہ اقدس پر میرا سلام عرض کر دینا اس نے سلام عرض کیا تو جواب آیا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہنا مرید بڑا گھبرایا کہ شیخ سے الفاظ کیونکر عرض کروں واپسی پر شیخ نے جو پوچھا کہ ہمارا سلام عرض کیا تھا کہ جی ہاں عرض کیا تھا حضور نے بھی آپ کو سلام فرمایا ہے۔ کہا وہی کہو جو حضور نے فرمایا تھا بات کیوں بدلتے ہو کہا جب آپ کو پتہ ہے تو آپ مجھ ہی سے کیوں پوچھتے ہیں فرمایا کہ وہ بات تم تھوڑا ہی کہو گے تم تو قاصد ہو، قاصد سفیر محض ہوتا ہے اور محبوب کا پیام سننے میں اور مزہ ہے کہ جانتے ہیں وہ مزہ نہیں چنانچہ اس نے حضور ہی کے الفاظ میں پیام کو ادا کیا شیخ پر وجد طاری ہو گیا اور کہا

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا(۱)

غرض عاشق کو جو عارف بھی ہو جس وقت یہ وسوسہ نہیں ہوتا کہ محبوب کو چھوڑ دے اس کی طلب ہر وقت ترقی پر رہتی ہے خواہ قبض ہو یا بسط ہو انعام ہو یا دشنام ہو، سعدیؒ فرماتے ہیں:

گدایاں از بادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور
دمادم شراب الم در کشند وگر تلخ بینند دم در کشند
نہ گویم کہ بر آب قادر نیند کہ برساحل نیل مستقیند

شوق کی حد

اب سنئے کہ شوق کے لیے بھی ایک حد ہے حدیث میں ہے واسئلك شوقاً الی لقائك فی غیر ضراء مضرةٍ وفتنة مضلة اور میں آپ سے آپ کی لقاء کا شوق مانگتا ہوں جس میں نہ کوئی جسمانی تکلیف ہو اور نہ ایسا فتنہ ہو جو گمراہ کر دے۔ ضراء مضرۃ تو یہی ہے کہ ایسا شوق غالب ہو کہ جسم کو گھلا دے جیسا کہ بعض عشاق شوق میں گھل گئے ہیں اور فتنة مضلة یہ ہے کہ شوق لقاء میں تشبیہ وتجسیم میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص صورت میں تصور کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہونگے ویسے ہونگے۔ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

(۱) ”جو بات آپ نے فرمائی میں اس پر خوش ہوں آپ کے شیریں لبوں سے ایسا ہی تلخ جواب مناسب ہے“۔

گہ ترا گوید زمستی بوالحسن یا صغیر السن یا رطب البدن

یہ غلبہ شوق ہی کا اثر ہے آگے اس سے بتری کرتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من وتمثیل من

اس تمثیل کا عذر بتاتی ہے۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

مولانا تو صاحب مقام ہیں اس لیے تمثیل کو تمثیل کے درجہ پر رکھتے ہیں اور اس سے بھی برائت ظاہر کرتے ہیں لیکن صاحب حال کو غلبہ شوق میں حدود کا خیال نہیں رہتا وہ اس تشبیہ وتمثیل کو اعتقاد میں داخل کر لیتا ہے اور غائب کو حاضر پر قیاس کرنے لگتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولا فتنۃً مضلۃ نیز شوق میں بعض دفعہ حد ادب سے بھی نکل جاتا ہے نہ زبان قابو میں رہتی اس درجہ کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفی کی ہے بس شوق مطلوب شوق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلائے اور جو شوق ادھر سے ہٹانے لگے وہ مطلوب نہیں۔ تو وہ شوق کے لیے بھی حد ثابت ہوئی۔ جب شریعت میں تمام امور کے لیے حدود کیوں نہ ہوں گی؟ یقینا ہیں اور ترقی جس کے معنی آج کل سمجھے جاتے ہیں کہ کسی شے کے لیے حد نہ ہو سراسر مضر ہے۔ یہ غلط ہے اب اس کا فیصلہ کہ وہ حدود کیا ہیں حکماء شریعت وحکماء عقل نے یہ کہا ہے کہ انسان میں تین قوتیں ہیں ایک عقلیہ ایک شہویہ ایک غضبیہ (قوت شہویہ سے مراد وہ قوت ہے جو منافع کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور قوت غضبیہ وہ قوت ہے جو مضرتوں کو رفع کرنا چاہتی ہے۔ شہوت سے صرف عورتوں کی خواہش اور عضب سے غصہ مراد نہیں بلکہ یہ دونوں بھی ان کے افراد میں سے ہیں) اور ان میں ہر ایک کے تین درجے ہیں۔

اعتدال کے درجات

افراط، تفریط، اعتدال، مثلاً قوت عقلیہ میں تفریط کا درجہ حماقت ہے اور درجہ افراط کا نام جزیرہ جس کا ترجمہ ہے۔ چر برا یعنی بہت تیز اور درجہ اعتدال کا نام حکمت

ہے اسی طرح قوت شہوت میں ایک درجہ افراط کا ہے جس کا نام فجور ہے ایک درجہ تفریط کا ہے جس کا نام خمود ہے۔ ایک درجہ اعتدال کا ہے جس کا نام عفت۔ اور قوت غضب میں افراط کا نام تہور ہے اور تفریط کا نام جبن ہے اور اعتدال ک نام شجاعت ہے۔ یہ کل ۹ درجے ہوئے جنکی مفصل تعریف کتب حکمت واخلاق میں مذکور ہے جن میں سے مطلوب صرف تین درجے ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔ چھ درجے مطلوب نہیں حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تینوں قوتوں میں اعتدال کا درجہ حاصل کرے اور اگر افراط کا درجہ ہو یا تفریط (۱) کا تو یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ پس آج کل جو ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حد پر نہ ٹھہرو یہ باتفاق حکماء غلط اور باطل ہے۔ اور علماء اسلام کے نزدیک تو باطل ہے ہی کیونکہ اسلام میں اعتدال ہی کی تعلیم ہے۔ اسی لیے اس امت کو امت عادلہ اور امت وسط قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور شہود میں اور روایت حدیث (۲) میں جو عدالت شرط ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ان نو درجوں میں سے تین معتدل درجے حاصل کئے ہوئے ہوں اور افراط وتفریط کے درجات سے مبرا ہوں (۳)۔ ہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اعتدال کے بھی درجے ہیں ایک تو اعتدال حقیقی بالمعنی اللغوی ہے۔ اس پر تو بجز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی قادر نہیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اعتدال کی قسمیں

لن یشاد الدین احد الا غلبه فسددوا وقاربوا (۴) کہ دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا یعنی درجہ کمال حقیقی پر۔ پس سیدھے چلتے رہو اور قریب قریب چلتے رہو اور ایک اعتدال حقیقی اصطلاحی ہے یعنی ایسا اعتدال جس پر عام طور پر سب کو قدرت ہے۔ مامور بہ اور مطلوب یہی اعتدال ہے۔ اب میں ایک لطیف بات کہتا ہوں کہ جس مسافت پر چلا جائے اس کا وسط حقیقی یعنی وسط بہ تحریک الاوسط غیر متجزی ہوگا (۵)۔ پھر طرفین اور

(۱) کمی زیادتی کا اعتبار نہیں (۲) گواہی اور حدیث کے نقل میں جس عدالت کا ذکر ہے وہ یہی ہے (۳) پاک ہو (۴) الصحیح للبخاری: ۱۔ ۱۶، سنن النسائی الایمان ۲۸ (۵) لفظ وسط میں درمیان کے حرف سین کو متحرک پڑھیں تو اس سے ایسا درمیان مراد ہوگا جس کی مزید تجزی نہ کی جاسکے۔

وسط نکلیں گے تو وسط وسط رہا۔ اس لیے لازم ہے کہ وسط غیر متجزی ہو یعنی عرضاً کیونکہ طولاً تو ضروری متجزی ہے جبکہ اس کو مسافت تسلیم کیا گیا ہے۔ جس پر سیر کی جارہی ہے پس اعمال کا وسط حقیقی غیر متجزی ہوگا۔ اور یہی دین کا طریق غیر متجزی قیامت کے روز بشکل پل صراط متمثل ہوگا۔ جس کو حدیث میں احد من السیف وادق من الشعر (۱) کہا گیا ہے حقیقت وہ اعتدال حقیقی غیر متجزی کی مثال صورت ہے اور جو غیر متجزی ہوگا اس کا ادق من الشعر (۲) ہونا ضرور ہے کیونکہ بال عرضاً متجزی ہوتا ہے اور چونکہ اس پر چلنا قدرے دشوار ہے اس لیے احد من السیف (۳) بھی ہوگا پس جو لوگ یہاں شریعت پر چل رہے ہیں وہ وہاں بھی پل صراط پر چلیں گے اور اسی طرح چلیں گے جس طرح یہاں چل رہے ہیں اور احد من السیف وادق من الشعر پر (۴) چلنا عقلاً محال نہیں گو یہاں مستبعد رہے مگر یہاں کے استبعاد سے حدیث پر اشکال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس عالم کی خاصیت جدا ہے اس عالم کی جدا ہے اس کو اس پر قیاس کرنا غلط ہے اس عالم کو اس عالم کے ساتھ ایسا تعلق سمجھے جیسا یہاں ذہن اور خارج میں تعلق ہے کہ جو چیز خارج میں ہے وہ ذہن میں بھی ہے مگر خارج میں اس کی خاصیت اور ہے۔ ذہن میں وہ خاصیت نہیں ہے۔

چنانچہ جو ہر ذہن میں فی موضوع ہے اور خارج ہیں لافی موضوع پس جو لوگ عقل کے بہت درپے ہیں وہ پہلے ہمیں اس کی وجہ بتائیں کہ خارج اور ذہن کی خاصیت میں کیوں فرق ہے۔ مگر آج کل عقل تو لوگوں کو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ عاقل ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ بس ان کے یہاں تو بڑی عقل یہ ہے کہ بی اے ایم اے ہوگئے اور اچھا کھانے اچھا پہننے لگے یہی ان کے نزدیک ترقی کا معیار ہے یہی عقل کا میں کہتا ہوں کہ کھانے پینے میں تو حیوانات تم سے اچھے ہیں اور تم سے زیادہ کھاتے پیتے ہیں اور جس چیز میں حیوانات بھی آپ کے شریک بلکہ آپ سے اچھے ہیں وہ کمال نہیں

(۱) تلوار سے تیز اور بال سے باریک کہا گیا ہے (۲) بال سے باریک ہونا ضروری ہے کیونکہ بال بھی تقسیم ہوسکتا ہے (۳) تلوار سے تیز (۴) بال سے باریک اور تلوار سے تیز پر چلنا عقلاً ناممکن نہیں۔

ہوسکتا کمال یہ ہے کہ انسانی کمالات کو حاصل کیا جائے اور اس کمال کی یہ خاصیت ہے کہ صاحب کمال کو کھانے پینے پہننے کی پرواہ نہیں رہتی۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی (۱)

بس انسان کا بڑا کمال اقتصاد واعتدال (۲) ہے تمام حکماء کا اس پر اتفاق ہے انہی لوگوں کی حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے یعنی مقتصدین کی چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ (۳) اس مقام پر اہل کتاب کے بارہ میں ارشاد ہے۔ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَ كَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ (۴) ایک مقام پر ارشاد ہے وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا (۵)

بڑا کمال اقتصاد واعتدال

اس سے صاف معلوم ہوا ہے کہ اقتصاد توسط ہی بڑا کمال ہے اور یہی مطلوب ہے پس قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا ہے اقتصاد ہی اعلیٰ درجہ ہے (۶)۔ اب میں ایک شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جو قرآن ہی سے پڑسکتا ہے مگر ان لوگوں کو جو محض ترجمہ دیکھ کر مولانا بن جاتے ہیں اشکال یہ ہے کہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ (۷) پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا

(۱) ''اے دل شراب محبت حقیقی سے خراب اور بغیر مال وزر اور خزانوں کے قارون سے بڑا کون'' (۲) تمام احکام میں راہ اعتدال کو اختیار کرنا (۳) ''پس بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں'' سورۃ لقمان: ۳۲ (۴) ''ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں'' سورۃ المائدۃ: ۶۶ (۵) ''اور ہم نے تم کو ایک ہی ایسی جماعت بنادی ہے جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے'' سورۃ البقرۃ: ۱۴۳ (۶) اعلیٰ درجہ اعتدال پر رہنا ہی ہے (۷) ''پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام دنیا کے بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور بعضے ان میں سے خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں سورۃ الفاطر: ۳۲۔

ہے اپنا اور کوئی ان میں سے ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے خوبیاں لیکر اللہ کے حکم سے۔

یہاں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی گئی ہے کہ امم سابقہ کے بعد ہم نے اپنے ان بندوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا جن کو ہم نے برگزیدہ کیا ہے پھر ان میں بعض تو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی گناہ گار ہیں اور بعض میانہ رو مقتصد ہیں اور بعض سابقین بالخیرات ہیں۔ یہاں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیسی بشارت ہے کہ ان کے گنہگار بھی برگزیدہ بندوں میں داخل ہیں تو یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتصاد اعلیٰ درجہ نہیں بلکہ اس سے بھی آگے ایک درجہ ہے جن کو سابقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذرا اس اشکال کا جواب وہ لوگ بیان تو کریں جو محض لیڈری سے مولانا بن گئے ہیں۔ فہم القرآن آسان نہیں اس کے لیے پورے قرآن کا احاطہ ضروری ہے اور علوم قرآن سے واقف ہونا لازم ہے۔ مگر آجکل جو لوگ لیڈر ہیں اور اس زمانہ میں سب لیڈر مقتدا اور مولانا ہیں ان کی یہ حالت ہے۔

گربہ میر وسگ وزیر وموش را دیواں کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند (۱)

شاید تم یہ کہو کہ مولوی کام نہ کریں تو لیڈر کیا کرتے انہوں نے قومی سیاسیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے کہ مولوی کام نہیں کرتے جو کام مولویوں کا ہے وہ برابر کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے اور کیونکر نہ کریں آخر کیا وہ گوہ کے ٹوکرے کمائیں گے۔ ہم کو لیڈروں سے یہ شکایت نہیں کہ انہوں نے سیاسیات قومی کو اپنے ہاتھ میں کیوں لیا۔ بلکہ شکایت اس کی ہے کہ اس کام میں بھی دخل دینے لگے جو مولویوں کا تھا اور ان کا کام نہ تھا وہ یہ کہ یہ لوگ احکام شرعیہ کا فیصلہ بھی اپنی رائے سے کرتے ہیں ان کو لازم تھا کہ یہ جو کچھ طریقے ترقی قومی کے سوچیں ان کو پہلے مولویوں کے سامنے پیش کر کے فتویٰ شرعی حاصل کر لیا کریں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ جب علماء فتویٰ دیں اس کے بعد ان سیاسی تدابیر پر عمل کیا جائے۔

---

(۱) ''بلی صفت امیر کتا صفت وزیر اور چوہا صفت دیوان وقاضی ہے جب ارکان دولت کا یہ حال ہو تو ملک ویران ہوگا''۔

علماء کا کام

علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ قانون شرعی کے موافق آپ کی تدابیر وطریق کا جواز یا عدم جواز بتائیں۔ اس سے زائد علماء کا کچھ کام نہیں اور بتائے ،اور اس کام سے علماء نے کب پہلو تہی کیا ہے۔ اب اگر تم یہ چاہو کہ وہ اس کام سے آگے بڑھ کر سیاسیات میں عملاً بھی حصہ لیں اور تمہارے سیاسی جلسوں او رمظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں ہے اور نہ تم کو اس پر انہیں مجبور کرنے کا کوئی حق ہے تم نے مولویوں کو سمجھا کیا ہے۔ علماء جس کام کو کررہے ہیں وہ اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہواور جہاد شروع ہوجائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کیونکہ علماء اگر مرجائیں گے تو علم دین کون سنبھالے گا۔ اس لیے ہمارے حاجی صاحبؒ علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے۔ کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دوگے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا؟

علماء وسیاسیات

اب لوگ اس کو تو دیکھتے نہیں کہ علماء کو سیاسیات میں پڑنے سے خود فقہاء اسلام نے منع کیا ہے بس انکو تو الزام دینے سے کام ہے۔ مسلمانوں پر جو مصیبت بھی آئے اس کا الزام سب سے پہلے علماء پر ہے۔ بس ان کا وہ حال ہے جو انوری نے بیان کیا ہے۔

ہر بلائے کز آسماں آید گرچہ بردیگر ان رواباشد
برزمیں ناز رسیدہ میں پرسد خانہ مولوی کجا باشد(۱)

میں نے آخری مصرعہ میں انوری کی جگہ مولوی کردیا ہے۔

دندان شکن جواب

میں کہتا ہوں کہ اگر مولوی قوم کے حق میں ایسے مضر ہیں کہ سارا تنزل انہیں کی وجہ سے ہے ترقی سے مانع بھی یہی ہیں تو تم ان سب کو ایک جہاز میں بھر کر سمندر میں

(۱) ''ہر بلا آسمان سے آتی ہے اگرچہ حالات دگرگوں ہوں بطور ناز زمین سے سوال کرتی ہے کہ مولوی کا گھر کہاں ہے''

غرق کردو۔ مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ تم ہی غرق ہوجاؤ گے اور مولوی ساحل پر کھڑے ہوئے ہنسیں گے۔ اور جواب ایسا ہے جیسا جواب سلطان عبدالحمید خانؒ نے جرمنی کے بادشاہ کو دیا تھا اس نے طنز کے طور پر ترکی کی کمزوری ظاہر کرتے ہوئے سلطان سے یہ کہا تھا کہ یورپ میں آپ کی ایسی حالت ہے جیسے بتیس دانتوں میں ایک زبان۔ یعنی چار طرف سے تم گھرے ہوئے ہو کچھ کرنہیں سکتے، تو سلطان نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ دانت سب گرجاتے ہیں اور زبان قائم رہتی ہے، خوب ہے۔ دندان شکن جواب تھا۔ اس پر شاید کوئی کہے کہ سلطان نے جس عادۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے وہ تو مشاہد ہے مگر تم نے جس عادۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے اس کی کیا دلیل ہے کیا تمہارے پاس کوئی وحی آئی ہے۔ تو ہم کہیں گے ہاں وحی گو آئی نہیں مگر پہنچی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے کیونکہ آپ فرما گئے ہیں۔ لایزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرهم من خذلهم حتی یاتی امر اللّٰه(۱) میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر فائز رہے گا جو کوئی ان کو رسوا کرنا چاہے ان کا بال بیکا نہ کرسکے گا حتی کہ قیامت آجائے گی۔ اس وجہ سے تم جو چاہو کرو ان شاء اللہ علماء اہل حق دنیا سے ناپید نہیں ہوسکتے، بعض لوگ علماء کو یہ رائے دیا کرتے ہیں کہ ان کو لیڈروں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے کیونکہ مل کر کام کرنے سے قوت ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ انہوں نے مل کر کام کرنے کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ مل کر کام کرنے کی صورت یہ ہے جیسے بڑھئی اور معمار مل کر تعمیر کا کام کرتے ہیں کہ وہ الگ اپنا کام کرتا ہے اور وہ الگ پھر ان کو جمع کردیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ معمار اور بڑھئی دونوں لکڑی کے کام پر لگ جائیں یا دونوں اینٹ کے کام پر لگ جائیں اسی طرح یہاں ہونا چاہیے کہ علماء الگ اپنا کام کریں اور لیڈر الگ اور پھر دونوں جمع ہوجائیں اور جمع کی صورت یہ ہے کہ لیڈر علماء سے استفتاء کرکے کام کریں یہ نہیں کہ مولوی صاحب بھی لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر پہنچ جائیں۔

(۱) الصحیح للبخاری: ۹/ ۱۲۵ بلفظ آخر۔

ہر قوم کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے

صاحبو! ہر قوم کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں۔ چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے، فوجی افسر جاتے ہیں، منشی محرر کیلکٹر اور جج وغیرہ نہیں جاتے پھر نہ معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ حدیث وفقہ وتفسیر کا علم بھی حاصل کریں۔ فتویٰ بھی لکھیں وعظ بھی کہیں درس وتدریس بھی کریں، مدرسے بھی قائم کریں، مدارس کے لیے چندہ بھی کریں، مناظرہ بھی کریں اور لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لیکر سیاسیات میں بھی شریک ہوں یہ طریقہ تقسیم خدمات کے بالکل خلاف ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ علماء کا جو کام ہے وہ اس سے کسی وقت غافل نہیں اس لیے یہ اعتراض لغو ہے کہ جب مولوی علماء کا جو کام نہ کریں تو لیڈر کیا کریں۔ انہوں نے دین کی خدمت کرنا شروع کردی۔ سو میں نے بتادیا ہے کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ ہے یعنی معانی قرآن وحدیث کا حل کرنا، احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اس میں لیڈروں کو دخل دار معقول کی کیا ضرورت ہے۔ مطالب قرآن وحدیث اور احکام تو لیڈروں کو علماء سے پوچھنا چاہئیں اور ترقی قومی کے اسباب ووسائل لیڈروں کو سوچنا چاہئے اور ہر تدبیر کے جواز وعدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کیا کریں بلکہ اول علماء سے استفتاء کرلیا کریں ورنہ محض ترجمہ پڑھنے سے قرآن حل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس شبہ کا جواب جواوپر بیان کیا گیا ہے لیڈر ہرگز نہیں دے سکتے۔ بلکہ یہ شبہ عربی داں علماء ہی سے حل ہوگا۔ ان کے یہاں اس کا جواب بہت سہل کہ قرآن کے محاورہ میں اقتصاد کبھی اعتدال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی توسط بین الاعلی والادنی کے معنی میں آتا ہے اور سورۃ فاطر کی آیت مذکورہ میں دوسرے معنی مراد ہیں اس لیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اقتصاد بالمعنی الاول بھی اعلیٰ درجہ نہ ہو۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

(۱) بہت عمدہ وعظ ہے اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاھور

گزشتہ ماہ حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (مہتمم جامعہ ہذا) قطر کے دورہ پر تشریف لے گئے جہاں متعدد مجالس منعقد ہوئیں، حضرت قاری صاحب ۲۸ جنوری کو روانہ ہوئے اور آپ کی واپسی ۲۱ فروری کو ہوئی۔ قطر میں مقیم حضرت مہتمم صاحب کے بیٹے مولانا قاری عثمان احمد تھانوی ودیگر فضلاء جامعہ، قاری فاروق اعظم، قاری ابوبکر فیروز، قاری عبدالرحمن بنگالی، قاری حنیف اللہ نے اس دورہ کا اہتمام فرمایا جہاں درج ذیل تقریبات منعقد ہوئیں۔

۱۔ شیخ احمد شکری کی دعوت پر جامعہ قطر کلیۃ الشرعیۃ کے ایم فل و پی ایچ ڈی کے طلباء سے علم الرسم وعلم القراءات پر مفصل خطاب فرمایا۔ اساتذہ کے ساتھ سوال وجواب کی نشست ہوئی آخر میں عمید کلیہ نے جامعہ قطر کا اعزازی نشان عطا فرمایا۔

۲۔ شیخ احمد عیسی المعصر اوی کی دعوت پر تکمیل قراءات عشرۃ وختم قرآن کریم کی تقریب میں شرکت فرمائی۔

۳۔ شب جمعہ مرکز تبلیغ عشاء کی نماز کے بعد اکابر مشائخ، دکتور عبدالسلام مجیدی، شیخ عبدالرشید صوفی، شیخ یوسف الجزائری، دکتور عادل الیمانی سے ملاقات ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد شیخ المعصر اوی نے اپنے گھر پر تمام مشائخ قراءات کو کھانے کی دعوت دی۔

۴۔ مدیر ادارۃ البحوث الاسلامیہ شیخ محمد المحمود کے مکتب میں تقریب منعقد ہوئی اور شیخ المحمود نے صحیحین کی تلاوت سنا کر حدیث المسلسلات کی اجازت حاصل کی۔

۵۔ شیخ احمد شکری نے لینڈ مارک ہوٹل میں ظہرانہ دیا جہاں قطر کے مشائخ قراء نے شرکت فرمائی۔

۶۔ شیخ خالد بن محمد بن غانم اٰلِ ثانی رئیس وحدت البرامج والأنشطة لوزارة الاوقاف والشؤن الاسلامی ورئیس اللجنة التحکیم المسابقات القرأنیة نے اپنے گھر تقریب منعقد کی اور صحاح ستہ کے اوائل واواخر تلاوت فرما کر قاری صاحب سے سند اجازت حدیث حاصل کی۔

۷۔ عمان میں شیخ عبدالحمید ادم نے اپنے گھر پر عشائیہ دیا جہاں طویل تلاوت ومفصل بیان فرمایا اور دیگر تقریبات میں شیخ اسماعیل وشیخ اصغر علی ودیگر مشائخ علماء ورؤسا عمان نے شرکت فرمائی۔

۸۔ شیخ عبداللہ سالمی وزیر اوقاف کے مکتب، تقریب میں شرکت فرمائی جہاں مصحف عمان کی طباعت پر شیخ سالمی نے مشاورت کی اور علم الرسم وعلم القراءات کی عظیم خدمات کے اعتراف میں سلطنت عمان کا قومی نشان، چاندی کا خنجر عطاء فرمایا۔

۱۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کے انگریزی تراجم شائع کرنے کا ایک نیا سلسلہ جامعہ کے ادارۃ اشرف التحقیق کے زیر اہتمام شروع کیا گیا ہے رواں ماہ بحمد اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کا پہلا وعظ شائع کیا گیا ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اصلاحی خطاب کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے جوانگریزی خواں کے لئے نہایت مفید ہے۔ ۱۹۹۳ء میں ایک وعظ اردو زبان میں ''استخفاف المعاصی'' کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کا انگریزی ترجمہ حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی ایماء پر شیخ عبدالحمید صاحب نے کیا لیکن وہ شائع نہ ہوسکا، جناب شیخ عبدالحمید صاحب نے تقریبا ۳۰ مواعظ کا انگریزی ترجمہ کیا تھا جن کی اشاعت کا سلسلہ اب ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی شروع ہوا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا وعظ ''Frivolous Attitude towards sins'' کے نام سے

شائع ہوا ہے جس کی تصحیح جناب ابرار حسین صاحب نے کی ۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

۲۔ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سوانح کا دوسرا ایڈیشن ''تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ'' جامعہ سے شائع کیا جا رہا ہے جو بہت جلد ان شاء اللہ طباعت کے مراحل طے کر کے منظر عام پر آجائے گا۔

۳۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کا اگلا وعظ اصلاح نفس کے عنوان سے طباعت کے مراحل میں ہے جو ان شاء اللہ بہت جلد مکمل ہو کر ادارہ میں آجائے گا۔ اس پرفتن دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جامعہ کے تمام اساتذہ و ملازمین عوام کی اصلاح و خدمت میں سرتوڑ محنت کر رہے ہیں۔ اپنی نجی ضروریات پر فوقیت دیتے ہوئے تحقیقی اور تصنیفی خدمات کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا ہے تمام قارئین سے خصوصی درخواست ہے کہ جامعہ کو اور اس کے متعلقین کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔

حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ ہٰذا) کی خدمت کو سراہتے ہوئے، شیخ عبداللہ سالمی صاحب نے وزارت اوقاف والشؤن الاسلامیہ عمان کی جانب سے عمان کا قومی نشان ''چاندی کا خنجر'' حضرت قاری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ بلاشبہ جامعہ کے لیے یہ ایک تاریخی اعزاز ہے، اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی عمر وعلم میں برکت عطا فرمائیں۔